…سی حالات کی اصلاح وتعمیر کی جانب توجہ دلائی گئی ہے، انکے
…تی جذبات وخیالات کی آئینہ دار ہیں، ان سے اس کا بھی اندازہ
…ں کے بھی نبض شناس ہیں، انداز بیان سادہ ہے لیکن مصنف
…کی نظموں میں اثر پیدا ہوگیا ہے۔

…حال } از ڈیوڈ لو اور سٹینلے کارناؤ، مترجمہ جناب گوپال متل صاحب، چھوٹی تقطیع، کاغذ، کتابت

…قیمت ۴۰/۵۰ پیسے، نیشنل اکیڈمی ۹ انصاری مارکیٹ

…آمد، وہاں کی تہذیب وثقافت کی تعمیر وتشکیل میں اس کے
…نوں کے حالات اور موجودہ کمیونسٹ حکومت میں انکے اضطراب
…لیے گئے ہیں، یہ کتابچہ ایک مسلمان چینی کے قلم سے ہے اسلیے
…

…سان کی آپ بیتی ہے جس نے کمیونسٹ حکومتوں کے
…رتی اور زرعی حالات ذکر کرنے کے بعد اپنے ترک وطن
…ہمیں کمیونسٹوں کے ظلم، تشدد، جبر اور شخصی ملکیتوں کے
… دونوں کتابچوں سے کمیونزم کے اصلی خد وخال اور
…دے کی حقیقت پوری طرح ظاہر ہوجاتی ہے، ترجمہ
…لم کا نام ہی ضمانت ہے۔

'ض'

جلد ۹۹ ماہ صفر المظفر ۱۳۸۷ھ مطابق ماہ جون ۱۹۶۷ء عدد ۶

مضامین

شذرات

ن صاحب کا انتخاب حق بحقدار رسید کا مصداق ہے، ہندوستان میں
سے مل سکتا تھا، وہ اپنے اوصاف و کمالات کے لحاظ سے بھی اس
ں کو عہدہ ہونا چاہئے تھا، ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اور صدارت کا
ت ہیں، انکا انتخاب اس کا ثبوت ہے کہ ابھی کانگریس زندہ ہے،
توقع قائم نہ کرنا چاہیے، ڈاکٹر صاحب حکومت کے سب سے بڑے نمائندے
اٹھا سکتے، البتہ بحیثیت سربراہ حکومت ان پر یہ ذمہ داری ضرور
اور سیکولرزم کو صحیح معنوں میں زندہ کرنے کی کوشش کریں گے
د ایسا سلوک ہونا چاہیے کہ وہ بھی اپنے کو ہندوستان کا معزز
محسوس نہ کریں۔

ساتھ راسخ العقیدہ مسلمان بھی ہیں جس کا وہ فخریہ اظہار بھی
یات کا نمائندہ کہنا صحیح ہوگا، مگر مسلمانوں کو حکومت کی کرسی
ڈاکٹر صاحب سے اس راہ میں بعض لغزشیں ہو گئیں تو کوئی تعجب
ہندو مسلمان سے اسکی توقع نہیں تھی، مولانا ابو الکلام بھی
سی وضع میں فرق نہیں آنے دیا، ڈاکٹر صاحب سے حسن ظن یہی رکھنا
مزاج میں فرق نہ آئے گا اور ہم کو امید ہے کہ وہ اس حسن ظن
دارت ملک و ملت دونوں کیلئے مفید ثابت ہو،

اردو کے معاملہ میں صوبائی حکومتوں سے کسی قسم کی کوئی توقع رکھنا بالکل بے سود ہے، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب
کی صدارت سے اس کا موقع پیدا ہو گیا ہے کہ اردو کا مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا جائے، وہ برسوں انجمن
ترقی اردو کے صدر رہ چکے ہیں، لکھنؤ کا اردو کنونشن ان ہی کی صدارت میں ہوا تھا، اور صدر جمہوریہ کی خدمت
میں بیس لاکھ دستخطوں کا میمورنڈم بھی ان ہی کی قیادت میں پیش ہوا تھا، اس لیے اردو کے سب سے بڑے
وکیل وہی ہیں، اس لیے انجمن ترقی اردو ہند کا ایک وفد ان کی خدمت میں جانا چاہیے کہ وہ جن مطالبات
کو حق سمجھتے تھے اور جن کی قیادت انھوں نے خود کی تھی، اب وہ اس کے بارہ میں کوئی فیصلہ کر دیں
ان کی حق پرستی سے یہ امید نہیں ہے کہ جن مطالبات کو وہ صدارت سے پہلے صحیح سمجھتے تھے، اب ان کو
غلط سمجھنے لگیں

سرکاری پرائمری اسکولوں کا نصاب بیشتر ہندو مذہب اور اس کی تہذیب و روایات کا ترجمان
ہے، جس کو مسلمان بچے بھی پڑھتے تھے اور مسلمانوں کی مسلسل شکایت کے باوجود وہ نہیں بدلا گیا، اسلیے
انھوں نے خود اپنے آزاد مکاتب قائم کیے، جن میں حکومت کے معیار تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی ہوتی تھی
حکومت ہند نے جو تعلیمی کمیشن مقرر کیا تھا، اسنے اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے، اس نے جو سفارشیں کی
ہیں، ان میں بعض سفارشوں کی زد اسلامی مکاتب اور دوسرے آزاد مدارس پر بھی پڑتی ہے،
اگر یہ سفارشیں منظور ہو گئیں تو ان مدارس اور مکاتب کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا جو اقلیتوں کے دستوری
حقوق کے سراسر خلاف ہے، اور اس بارہ میں ممبئی ہائیکورٹ کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے، مگر ابھی تعلیمی کمیشن
کی رپورٹ سفارش کی منزل میں ہے، اسلیے مسلمانوں کو اسکی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ جن سفارشوں
کی زد اسلامی مکاتب اور آزاد مدارس پر پڑتی ہے ان کو حکومت منظور نہ کرے، ورنہ ان سب کا
وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔

ان سطور کی تحریر کے وقت عرب اسرائیل جنگ بند ہو چکی ہے، مگر ابھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ

ت طے ہونے کی کیا صورت ہوگی، اندیشہ یہی ہو کہ مغربی طاقتیں
انے کی کوشش کرینگی، یہ سارا فتنہ ان ہی کا کھڑا کیا ہوا ہے،
س جنگ سے عرب حکومتوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ وہ
پیا ہونا پڑا، اگر اس سے ان حکومتوں کے مستقل اتحاد کا
لم ہے۔ اس جنگ میں ناصر کو بھی اپنی طاقت اور پوزیشن
و، اسکا بھی تجربہ ہوگیا کہ ایسے نازک موقع پر اسلامی اخوت
ں کے لیے جو تڑپ ہوگی وہ دوسروں میں ہو ہی نہیں سکتی،
یران کی زبانی حمایت بھی کرتی ہے تو ملک اس کا ساتھ
مت کو ملک و قوم کا ہدف بننا پڑتا ہے، اسلیے جو غیر مسلم حکومت
یکن پورا بھروسہ اسلامی حکومتوں ہی پر کرنا چاہیے، اسکے

لکھنوی نے انتقال کیا، وہ اس دور کے استاد فن
کے جملہ متعلقات پر ان کی نظر بڑی گہری اور محققانہ
تھا، ان کی ذات لکھنؤ کی تہذیب و شائستگی اور قدیم
حصہ سرکاری ملازمت میں گذرا، کلکٹری کے عہدے
ق کا مشغلہ ہمیشہ جاری رہا اور انھوں نے اردو
قل کتابیں لکھیں، ان کا سب سے بڑا کارنامہ فرہنگ آنند
ت اردو زبان کا ایک بڑا محقق اٹھ گیا، اور قدیم
ی مغفرت فرمائے۔

مقالات

تاریخ سائنس
کا
ایک ادھورا باب

از

جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب اُن اصحاب علم میں ہیں جو سیکولر ذہن کے ساتھ اسلامی احساس بھی رکھتے ہیں، اور جدید علوم و افکار کے ساتھ اسلامی افکار و تصورات اور اسلامی تاریخ و ثقافت پر بھی انکی پوری نظر ہے اور انکی تحریروں میں انکا جو اعتدال و توازن ہوتا ہے وہ سیکولر ذہن کے کم لوگوں میں نظر آتا ہے، یہ مقالہ بھی اسکا شاہد ہے، یہ مفید مقالہ انھوں نے دار المصنفین کی جوبلی کے موقع پر پڑھا تھا مگر اسکے ساتھ ایسے اتفاقات و حوادث پیش آتے گئے کہ اب تک شائع نہ ہو سکا، اسکی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اب اس کو شائع کیا جارہا ہے۔ "م"

دار المصنفین اعظم گڈھ کا جشن طلائی گذرے ہوئے زمانے کی خوشگوار یادوں کے ساتھ ساتھ آنے والے زمانے کے لیے خوش آیند امیدیں لیے ہوئے آیا ہے، علم و حکمت کے خادم جہان شبلی اکیڈمی کے اہل قلم کو ان کی پچاس برس کی گراں قدر علمی خدمات پر صدق دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں

شروع ہوا اور ابتک جاری ہے، اس کی کڑی سے کڑی نہیں مل سکی ہے اور تاریخ سائنس ادھوری رہ گئی ہے، ظاہر ہے کہ جو ادارہ عربی داں مورخوں اور سائنس دانوں کے اشتراکِ عمل سے اس کی تکمیل میں مدد کر سکے گا اس کا دنیائے سائنس پر بڑا احسان ہوگا۔

اب یہ بھی سن لیجئے کہ قرونِ وسطیٰ میں عالمِ اسلام کی علمی کاوشیں نہ صرف علوم فنون کی تاریخ میں بلکہ عام طور پر تہذیب و تمدن کی تاریخ میں کیا اہمیت رکھتی ہیں، اس کو سمجھنے سمجھانے کے لیے اصل مطلب کو بیان کرنے سے پہلے تھوڑی سی تمہید کی ضرورت ہے،

اب تک تاریخ سائنس کا جو مواد حاصل ہوا ہے، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ولادتِ مسیح سے تین ہزار سال قبل تہذیب انسانی اور اسی کے ساتھ علم انسانی نے دنیا کے چار خطوں میں خاصی ترقی کر لی تھی ــــ ہندوستان، چین، مصر اور عراق عرب۔ ان میں سے چین اور ہندوستان کے اس عہد کے علمی سرمائے کے بارے میں کچھ مبہم اشارے ملتے ہیں، کوئی واضح معلومات حاصل نہیں ہوتے، البتہ عراق عرب اور اس سے زیادہ مصر کے لیے کسی قدر وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہاں اس زمانے میں تحریر کا فن ایجاد ہو چکا تھا، اور ریاضی، ہیئت اور طب کی اچھی خاصی معلومات فراہم ہو گئی تھیں، مصری تہذیب کے عروج کا دور، دو ہزار سال قبل مسیح سے لیکر ایک ہزار سال قبل مسیح تک تھا، اس دور کی آخری صدیوں میں اہرامِ مصر کی تعمیر قدیم اہلِ مصر کی علمی اور تہذیبی ترقیوں کا کافی ثبوت ہے،

۶۰۰ سال قبل مسیح کے لگ بھگ جب ہندوستان اور چین میں علوم و فنون راہِ ترقی پر گامزن تھے، مصر اور عراق عرب میں ذہنی انحطاط کا دور شروع ہو رہا تھا، مگر قدرت جس طرح کائناتِ مادی کے ایک ذرے کو بھی ضایع نہیں ہونے دیتی، اسی طرح اپنے اشرف مخلوق کی ذہنی دولت کو بھی بربادی سے محفوظ رکھتی ہے، اور اس میں کمی تو درکنار اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے،

ں توفیق دے اور ان کے لیے اس کا سامان فراہم
م کو اس مشکل زمانے میں بھی اسی خوبی و خوش اسلوبی

باب کار اپنے پچھلے کارناموں کا جائزہ لے رہے ہونگے
انھیں ایک ایسے کام کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں
ظیم الشان علمی خدمت انجام دیں گے۔
ہواس کی اہمیت اور ضرورت سے بحث کروں گا، آپ
یں یورپ اور امریکہ میں مدت سے لکھی جارہی ہیں،
خیال ابھی چوتھائی صدی سے پیدا ہوا ہے، ابتک
رج سارٹن کی کتاب Introduction
یں کی کتاب پینوراما از نیرال، دو ہستوریا،
ترین تاریخ سائنس موسیو رینے تاتان کی نگرانی
ی جلد جس میں ابتدائے تہذیب انسانی سے
ہے، ۱۹۵۵ء میں پیرس میں چھپی اور اس کا انگریزی ترجمہ
خصوصاً موسیو تاتان اس بات کا افسوس کیا تھا
م وفنون کا سب سے بڑا اور سب سے ترقی یافتہ مرکز ہونے کی
خ سائنس کی دنیا کو کوئی اندازہ نہیں، اس لیے کہ
ا کافی معلومات فراہم ہو سکی ہیں، اس کوتاہی کا
زمانے سے علوم صحیح کے باضابطہ نشو ونما کا جو سلسلہ

ے، جب اہل مصر اور اہل عراق میں اپنے بزرگوں کے
ی تو اہل یونان نے بڑھ کر اسے اپنے مضبوط کندھوں پر
ق کی علمی میراث یونان کو منتقل ہوتی رہی، اس وقت
انہ تاریخ سائنس میں یونانی علم و حکمت کا دور ہے،

اور بقراط سے لیکر جالینوس تک اہل یونان نے
معلومات میں جو انھیں اہل مصر و اہل عراق سے پہنچی
بلکہ اسے منطقی اساس پر قائم کرکے باضابطہ علم کی شکل
لاقیات اور مابعد الطبیعیات کے نئے علوم کی بنیاد
ت انگیز ذہانت اور علمی بصیرت بخشی تھی، وہ معروضیت،
scientific attitude یعنی علمی انداز نظر
عد الاندلسی نے الاعتدال الصحیح کے نام سے موسوم
دنیا کو دیا تھا، حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد دو سو سال
ت کی باد سموم نے یونان میں علم و حکمت کے باغ کو
لے گئے تھے، فرید تین سو سال تک جیسے تیسے اسکی
دابی کو قائم نہ رکھ سکے،

غافل نہ تھی، اس ہزار گیارہ سو سال کے عرصے میں
ت طبیعی کی تخلیق و تدوین کر رہا تھا، جزیرۃ العرب میں
رف تھا، اُدھر حکماء وحدت کائنات کے نظریے کی
لق کائنات کے عقیدے کی تلقین کر رہے تھے اُدھر انسان کی جسمانی

اور ذہنی تربیت کا اہتمام ہو رہا تھا، اِدھر اس کے اخلاقی اور روحانی ضبط کا انتظام کیا جا رہا تھا،

دنیا کے یہ دو خطے جن میں علم و حکمت کے یہ دو دھارے بہ رہے تھے، ایک دوسرے سے اتنے قریب تھے کہ ان کا ایک نہ ایک دن ملنا ضروری تھا، ان کا پہلا سنگم دوسری صدی عیسوی میں شام میں نظر آتا ہے، جہاں یونانیوں کی نوآبادیاں تھیں، مگر اس زمانے کی عیسائیت کے آب شور کی لہروں کا یونانیت کے آب شیریں سے ملنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا دریا دریائے شور بن گیا، آب شیریں کے سوتے سوکھ گئے، یونانی ذہن کی زمین بنجر ہوگئی، شام و فلسطین کے نوآباد یونانیوں میں جو نئے عیسائی ہوئے تھے انکو خود اپنی تہذیبی میراث سے اس قدر تعصب پیدا ہو گیا تھا کہ ٹسطین نام یونانی الاصل شامی عیسائی جو جالینوس کا ہم عصر تھا، کہتا ہے "یونانی ذہن نے کوئی اختراع اور کوئی ایجاد نہیں کی، اس کا سارا علم مانگے کا تھا، سب اہل بابل، سیدیون، فنیقیون اور مصریوں سے لیا تھا، صرف دو فن ہیں جن میں انھیں فوقیت حاصل تھی، "فن تحریر اور دروغ گوئی میں"، ظاہر ہے کہ اس فضا میں جو شام کے بعد خود یونان میں بھی پیدا ہوگئی، علم و حکمت کا پنپنا کسی طرح ممکن نہ تھا،

گر پانچ سو سال بعد یونان کی حکمت طبیعی اور جزیرۃ العرب کی حکمت الٰہی کے دھاروں کا ایک اور سنگم ہوا، جو "مرج البحرین یلتقیان" کا مصداق تھا، اس قید کے ساتھ کہ دونوں دھارے ساتھ ساتھ بہنے لگے، مگر پھر بھی ان میں ایک غیر مرئی فصل باقی رہا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں عرب میں اسلام کا ظہور ہوا، اور اس نے انسان کے عقل و ادراک کو ان زنجیروں سے جن میں جامد مذہبیت نے اسے جکڑ رکھا تھا، رہا کر دیا، ۷۵۰ء تک وسط ایشیا سے مغرب اقصیٰ اور اندلس تک عرب مسلمانوں نے نہ صرف تین اقلیموں میں اپنی حکومت کا جھنڈا گاڑ دیا بلکہ تین تہذیبوں یعنی قدیم ہندی، ایرانی اور یونانی

پنے قبضہ تصرف میں لے آئے، مگر در اصل عرب مسلمانوں کے
ں تھے، ـــــ اسلامیت کا مذہبی اور اخلاقی رنگ اور یونا
دن نے کم و بیش سات سو سال تک یونانی علم و حکمت کی جس میں
ں شامل ہو گئی تھی، نہ صرف حفاظت کی بلکہ اس میں اپنی طرف سے
صدی کے وسط سے گیارہویں صدی تک یعنی جابر ابن حیان
ی کے زمانے تک عالم اسلام میں سیاسی وحدت اور علوم و
ید کے ساڑھے تین سو سال میں سیاسی انتشار کے ساتھ ساتھ
جاری رہا، اگرچہ اکا دکا جید عالم و مفکر جیسے ابن خلدون
بھی پیدا ہوتے رہے، بارہویں صدی کے شروع سے پندرہویں
دور ہے جس میں علم و حکمت کے خزانے عربی سے لاطینی اور
پہنچنے لگے، اس عرصے میں مشرقی ذہن میں علم و حکمت کے سوتے
گئے، اور مغربی ذہن میں دھیرے دھیرے رستے رستے کیا رگی
ت کا عربی اسلامی دور ختم ہوا اور مغربی دور شروع ہوا،
امی دور کے اس ناقص و ناتمام جائزے سے جو ابتک مغربی
و گیا کہ اس زمانے میں نہ صرف یونانی علم و حکمت کے خزانے
یا گیا بلکہ ایک معاملے میں مسلمانوں کی علمی فکر یونانی فکر
جدید کی سائنس کے قریب پہنچ گئی تھی، یعنی تجربی طریق کی
ں، موسیو تاآن نے اپنی General Histo
اسلامی دور کی فتوحات کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

"ہم نے عربوں کی سائنس کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ بات کہ عرب صرف قدما کے افکار کو متاخرین تک منتقل کرنے والے تھے، حقیقت سے بہت دور ہے، انھوں نے دنیا میں علمی ذوق کو نئے سرے سے بیدار کیا اور یونانیوں کے نظریات کو عملی تجربے کی کسوٹی پر کسا، انکی اس اپج کا جو انھوں نے سائنس کے عملی استعمال میں دکھائی، یہ نتیجہ تھا کہ وہ رصد، جر ثقیل اور علم کیمیا کے حیرت انگیز آلات کے موجد ہوئے، انھوں نے تاریخ میں پہلی بار اسپتال قائم کیے جن میں وہ نہ صرف مریضوں کا علاج کرتے تھے بلکہ طبیبوں کی ٹریننگ اور علمی تحقیقات کا کام بھی انجام دیتے تھے۔"

"وہ علم و حکمت کی شمع کو جسے مغرب میں وحشی قبائل نے گل کر دیا تھا، بحر روم کے کنارے بسنے والی ایک قوم نے روشن رکھا، جس کے فرزند شب و روز اسی دھن میں رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے جلوے بر شاہ اور ہر رنگ میں دیکھیں اور اس کی عظمت و قدرت کے گن گائیں۔"

مگر جیسا کہ ہم پہلے اشارۃً کہہ چکے ہیں موسیو تاآن اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ عرب مسلمانوں کی علمی جد و جہد کے بارے میں ہماری تاریخی معلومات ابتک جس مرحلے پر پہنچی ہیں، ابھی یہ ادعا نضول ہے کہ ہم اس کی وسعت و عظمت کا اور ان اثرات کا جو اس نے باقی دنیا پر ڈالے ہیں کما حقہ جائزہ لے سکتے ہیں،

اس جائزے میں جو دقتیں پیش آتی ہیں وہ موسیو تاآن کے نزدیک یہ ہیں کہ "گو ایسی کتابیں جن سے ماخذ کا کام لیا جا سکتا ہے، کافی تعداد میں موجود ہیں، لیکن ان کتابوں میں جن اصلی مصنفین کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں، ان میں بعض ناپید ہو گئی ہیں، بعض کے پورے نام نہیں دیے ہیں، اس لیے ان کا پتہ لگانا دشوار ہے، بعض مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں جو آسانی

جو کتابیں مل بھی جاتی ہیں، ان کی عبارتوں کو سمجھنے سے پہلے ان کی زبان،
کے بارے میں بہت کچھ تحقیقات کی ضرورت ہے"۔
ایک دقت اور بھی ہے جس کی طرف فاضل مورخ کا ذہن منتقل
ت اسلامی اور حکمت یونانی کے دھاروں کا ملنا کلام مجید کی
ن" کا مصداق تھا، آیت کے دوسرے ٹکڑے "بینھما برزخ لا یبغیٰن"
ز دیا تھا، میرے خیال میں یونانی ذہن اور اسلامی ذہن کے درمیان
ہو سکتا یہ تھا کہ یونانی فکر تمام تر دنیوی یا سیکولر تھی اور اسلامی
میں مذہب کا اثر خفی یا جلی صورت میں ضرور موجود ہوتا تھا، عہد جدید
ں نے قدیم یونانی سیکولرزم اور جدید مغربی سیکولرزم کی فضا میں
ں حکمت کی گہرائی میں اتر کر اس کی روح تک پہنچنا مشکل ہے، یہ کام جیسا
ن علماء انجام دے سکتے ہیں، جو عرب اسلامی فکر کی گود میں پلے
ت سے بھی بخوبی واقف ہیں،
وری ہے، نہ صرف اس وجہ سے کہ اس پر تاریخِ سائنس کے ایک
ر عالمی علم و حکمت کے سلسلے کی کڑی سے کڑی ملنا منحصر ہے، بلکہ
جمود جو مسلمانوں کے ذہن پر مسلط ہے اپنے بزرگوں کے علمی کارناموں سے
ہے، اور اس میں وہ حرکت اور تازگی پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ زمانے کی
ل ہو جائے،
م کو یہ کرنے کی صلاحیت موجود ہے آگے بڑھیں اور تاریخِ سائنس کی
نشاۃ ثانیہ کی خاطر اسے قوت سے فعل میں لائیں۔
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

فارسی لغات کی تدوین میں ہندوستان کا حصہ

از جناب امام مرتضیٰ صاحب نقوی ایم اے، بی ٹی، پی ایچ ڈی، ایل ایس سی انڈین انسٹی ٹیوٹ آف
اسلامک اسٹڈیز نئی دہلی

پروفیسر ایڈورڈ براؤن نے اپنی مشہور تصنیف "تاریخ ادبیات ایران" میں فارسی کی صرف دو لغتوں کا ذکر کیا ہے، ایک مجمع الفرس اور دوسری فرہنگ انجمن آرائے ناصری۔ مجمع الفرس محمد قاسم کاشانی نے لکھی تھی، جو طوس کے رہنے والے تھے، ان کے باپ ابو نصر احمد بن منصور الاسدی فردوسی کے دوست اور ہمعصر تھے، اس لغت کا خود مصنف کے قلم کا لکھا ہوا ایک نسخہ مرقومہ ۵۶-۱۰۵۵ء دنیا میں اب بھی موجود ہے،

فرہنگ انجمن آرائے ناصری جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، رضا قلی خاں ہدایت نے شاہ نصیر الدین قاچار کے عہد میں لکھی، اس کے مطبوعہ نسخے ہندوستان میں اب بھی ملتے ہیں، ایرانیوں کے لکھے ہوئے بعض اور لغات بھی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے چند ہی لغت تیار کیے،

فارسی لغت کا سب سے زیادہ کام ہندوستان میں ہوا، اس کو ہم دو دوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں، یعنی پہلا دور ۱۲۹۰ء سے ۱۶۵۲ء تک، دوسرا ۱۶۵۲ء سے ۱۸۲۳ء تک، پہلے دور میں لغات کی تدوین کے لیے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیا گیا، اس دور میں فرہنگ نامۂ قواس، زفان گویا، ادات الفضلا، شرف نامۂ ابراہیمی، مدار الافاضل، فرہنگ جہانگیری اور برہان قاطع لکھی گئیں، دوسرے دور میں فرہنگ رشیدی مصطلحات الشعرا، سراج اللغات، بہار عجم اور

یار ہوئیں ان کی تاریخ وار ترتیب حسب ذیل ہے:۔

کے درمیان) زفان گویا (۱۳۵۲ء کے لگ بھگ)

براہیمی (۱۴۲۸ء کے بعد اور ۱۴۴۵ء سے قبل)

۱۵۹۰ء) فرہنگ جہانگیری (۱۶۰۸ء) برہان قاطع

راج اللغات (۱۷۳۵ء) بہار عجم (۱۷۳۹ء اور

(۱۷۵۹ء) مصطلحات الشعرا (۱۷۸۲ء) غیاث

یں فارسی کے ایک یا دو لغت تیار ہوئے، مثلاً

اللغات، دکن میں برہان قاطع، اترپردیش میں اداۃ الفضلا،

ج اللغات، مرآت الاصطلاح اور بہار عجم، پنجاب

ات الشعرا، سندھ میں فرہنگ رشیدی اور کشمیر

کے علاوہ کسی بھی ہندوستانی کو فارسی داں تسلیم

اعتراف کرنا پڑا،

فراہم اور الفاظ میں اضافہ کیا گیا،

الدین خلجی کے عہد میں فخر الدین مبارک غزنوی

مانے کے ممتاز ادیب اور شاعر مانے جاتے ہیں،

ہے، فرہنگ نامہ ہندوستان میں فارسی لغات کا

سنگ بنیاد ہے، اس کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ مصنف نے فارسی الفاظ کی تشریح کرتے وقت بعض موقعوں پر ہندی الفاظ بھی دیے ہیں، پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی کتاب پنجاب میں اردو میں اس کی مثالیں پیش کی ہیں،

فرہنگ نامہ کے بعد اس کی تقلید میں ۱۳۵۲ء کے لگ بھگ بدر ابراہیم نے زفان گویا و جہان پویا کے نام سے ایک فرہنگ مرتب کی، فرہنگ جہانگیری کے مولف نے عرف بدر الدین لکھا ہے، لیکن پروفیسر سید حسن[1] (پٹنہ) کا خیال ہے کہ مولف کا پورا نام بدرالدین ابراہیم ہوگا، فرہنگ جہانگیری کے مولف نے جن چوالیس [۴۴] فرہنگوں کو اپنا ماخذ بنایا ہے، ان میں زفان گویا بھی ہے، اس کا صرف ایک نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہے، باقی کسی لائبریری میں کسی دوسرے نسخے کی اطلاع نہیں ملی،

اس نسخہ کی حالت بہت خستہ ہے، بیشتر الفاظ ناقابل قرأت ہوگئے ہیں، کتاب میں پہلے تقریباً چار صفحوں کا دیباچہ ہے، اس کے بھی بعض مقامات مسخ شدہ ہیں جس کی وجہ سے عبارت ناقص ہوگئی ہے، اس کے بعد مولف نے کتاب کے ابواب اور فصول مقرر کرکے ان کے تحت الفاظ کے معنی لکھے ہیں، یہ تمام مندرجات سات جدا جدا بابوں میں تقسیم کیے گئے ہیں، اور ہر حصہ میں فصلیں بھی مقرر کی گئی ہیں،

مولف نے زفان گویا کی ترتیب میں حسب ذیل فرہنگوں سے مدد لی ہے، لغت فرس اسدی، فرہنگ نامۂ قواس، رسالۂ نصیر اور فرہنگ فردوسی، اور پوری تلاش و تحقیق سے کام لیا ہے، دیباچے میں لکھتا ہے کہ "میں نے جو کچھ جانا، دیکھا اور سنا ہے ان سب کو درست کرکے صحیح معنی کے ساتھ لکھا ہے"۔

---

[1] "فارسی کی ایک قدیم فرہنگ زفان گویا"۔ فکر و نظر۔ جولائی ۱۹۶۲ء

نے اکبر و جہانگیر کے عہد میں لکھی اور اس کو شہنشاہ جہانگیر
اریخ تصنیف نکالی ہے،

باسم شاہ جمجاہ جہانگیر
زہے فرہنگ نورالدین جہانگیر

شامل ہیں، جو اس وقت تک مل سکے، فرہنگ سے
ں مختلف چیزوں پر بحث کی گئی ہے، مثلاً پہلے آئین میں
ے میں فارسی زبان پر بحث کی گئی ہے، تیسرے میں
ی ترتیب کا ذکر ہے، پانچویں، چھٹے، ساتویں، آٹھویں
رف تہجی، علامات، ضمائر، کلمات، اسما، و افعال
فرہنگ جہانگیری میں الفاظ پر ناقدانہ نظر نہیں ڈالی
یا جاتا ہے، فرہنگ جہانگیری نے ہندوستان اور
، قدیم ایرانی ادب میں جو الفاظ پائے جاتے ہیں،
اتھ ان کو بیان کیا ہے، عبدالرشید اور خان آرزو
ں حذف و اضافے کیے،

نام سے ایک لغت مرتب کی، یہ بھی فرہنگ جہانگیری
ں کی کمی ہے، برہان قاطع کی تصنیف نے ادبی دنیا
خان آرزو نے سراج اللغات میں اس کی خامیاں
غالب نے اس کی رد میں ایک کتاب قاطع برہان
کر حالی نے یادگار غالب میں کیا ہے، غالب کی

کتاب کے نکلتے ہی ان کی تردید میں رحیم نے ساطع برہان لکھی، سعادت علی نے محرق قاطع برہان۔ امین الدولہ کی قاطع القاطع۔ احمد علی کی موید برہان۔ پھر غالب نے تیغ تیز اور اس کے جواب میں احمد علی نے شمشیر تیز تر لکھیں، ڈاکٹر عبدالودود کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی چند کتابیں تھیں جو شائع نہیں ہو سکیں لیکن برہان قاطع کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ ان میں سے کسی اور کو نہ ہو سکی۔

برہان قاطع کا ایک نیا اڈیشن حال ہی میں تہران سے شائع ہوا ہے جس کو ڈاکٹر محمد معین نے ایڈٹ کیا ہے، اس کے شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں ہندوستان کے لغت نویسوں کے کام کو سراہا گیا ہے،

عبدالرشید نے ایک لغت فرہنگ رشیدی تیار کی جس میں ان تمام اغلاط کی تصحیح کی جو فرہنگ جہانگیری میں تھیں، اس میں مرتب نے بڑی تحقیق سے کام لیا ہے، مقدمہ میں حروف تہجی پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے کہ کونسے حروف عربی کے ہیں اور کون سے فارسی کے۔ ایچ بلاک مین کی رائے ہے کہ عبدالرشید نے بہت احتیاط سے کام لیا ہے، دوسرے لغات سے مشتبہ الفاظ نہیں لیے ہیں، اگر اتفاقاً ایسا کوئی لفظ آگیا ہے، وہاں صاف لکھدیا ہے کہ "یہ لفظ مشتبہ ہے، یا خدا بہتر جانتا ہے"،

خان آرزو کی سراج اللغات دوسری لغتوں کے مقابلہ میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے،

خان آرزو نہایت ذہین اور بڑے زبان داں تھے، فارسی کے ساتھ سنسکرت سے بھی شوق تھا، جب انھوں نے یہ کام شروع کیا اس وقت ملک کے حالات ناخوشگوار تھے، اس لیے کسی نے اس کام میں ان کی مدد نہ کی، لیکن انھوں نے جس تحقیق اور محنت سے کام کیا ہے وہ ان کا شاہکار ہے، وہ خود لکھتے ہیں کہ جہاں تک الفاظ کی صحت اور اسلوب بیان کی وضاحت کا تعلق ہے

مندرجہ الفاظ کی سند میں ہم عصر شعراء کے اشعار جابجا پیش کیے ہیں، چنانچہ سراج الدین آرزو، سعید اشرف، فصاحت علی خاں راضی، شرف الدین پیام، علی حزیں، صائب، مرزا نجات وغیرہ کے اشعار عام طور پر ملتے ہیں، مخلص خود ایک مقام پر لکھتا ہے کہ بعض لوگوں کو اس طریقہ پر اعتراض ہے کہ

" صاحبان این فن بر اقم حروف خوردہ گیرند کہ این چہ قسم اسناد است کہ گاہ از ظفر خان

بنویسد و گاہ از عنایت خاں ۔"

مخلص نے اس کا جواب یہ دیا ہے

" معلوم باد کہ ایشاں اہل ایران اند و زبان داں ہستند، دوم آن کسان اند کہ مثل

مرزا صائب و طالب، کلیم و قدسی و سلیم رفیق شان بودند۔"

مخلص نے چراغ ہدایت، سراج اللغات، محبت ساطع، تحفۂ سامی، فرہنگ جہانگیری

واقعات بابری کا ذکر جابجا کیا ہے،

لغت کو حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، اور صرف محاورات اور استعارات وغیرہ کا اندراج کیا گیا ہے، ہر ردیف کے آخر میں مثالیں دی گئی ہیں، بعض جگہ مخلص راستے سے بھٹک بھی گئے ہیں، مثلاً ایک جگہ لفظ "نیشکر" کے تحت میں خوش نویسی کا ذکر آگیا ہے اور ہدایت اللہ خوش نویس کا بھی تذکرہ ہے، یا لفظ "حزیں" کے تحت میں فارسی شاعر شیخ محمد علی حزیں کا بھی ذکر کر دیا ہے، جو اس وقت دہلی میں مقیم تھے، کہیں کہیں اپنے تجربات بھی بیان کیے ہیں، بقول ڈاکٹر عبداللہ "مرات جہاں ایک لغت کی کتاب ہے، وہاں ایک بیاض بھی ہر جوہر مذاق کے آدمی کے لیے جاذب توجہ ہے[5]۔"

اس کتاب سے بعض تاریخی واقعات اور معاشرتی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے، انتعام

[5] ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، از ڈاکٹر عبداللہ

اور جامعیت کے لحاظ سے برہان قاطع بے مثل کتاب ہے
یں، مثلاً برہان قاطع میں صحت الفاظ کی کمی نظر آتی ہے،
ب لکھی ہے، اس لیے جن الفاظ کی تشریح فرہنگ رشیدی
رانے سے احتراز کیا ہے،
سراج الدین علی خان آرزو نے مجمع الفرس، فرہنگ رشیدی
جوینی، کشف اللغات، گلستان اور مثنوی مولوی
ہ ایک ایرانی کی قلمی فرہنگ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے،
ہے کہ اس میں فرہنگ رشیدی اور برہان قاطع کی
یں لکھا ہے کہ ٹیک چند بہار نے اپنی بہار عجم اور
یں اسی کو بنیاد بنایا ہے،
کے اس کارنامے کو نہیں سراہا، حالانکہ لسانیاتی
، کیونکہ اس میں سنسکرت اور فارسی زبان کا تقابلی
تعلقات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے،
یں، ایک رضا لائبریری رامپور میں، ایک ایشیاٹک
بریری لندن میں،
رام مخلص نے مرآت الاصطلاح کے نام سے ایک
و اس عہد کے شعراء اور مصنفین نے استعمال کیے ہیں،
نہیں کیا ہے، صرف اتنا لکھا ہے کہ "از خدمت زبان

، پیداوار، مختلف شہروں کی خصوصیات کا بھی جگہ جگہ ذکر
ستورالعمل، منصب کی تفصیل، وزیروں کے تقرر کے قانون،
وابط، درباروں میں لباس کی تخصیص وغیرہ کا بیان

س کی رسوم کو بھی بیان کیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی
ے آلات پٹنہ میں نہایت عمدہ بنتے ہیں، عطر گلاب پشاور
ب تیار ہوتا ہے، وغیرہ۔

لتے ہیں، ایک لاہور میں اور ایک پٹنہ میں، ٹیک چند
ی مقبولیت حاصل ہوئی کہ ۱۷۴۳ء سے ۱۷۶۸ء تک
میں اس میں اضافہ بھی ہوتا رہا، بہار نے اپنی فرہنگ
س کی ہے، یہ ایک تنقید ہے جو خان آرزو نے شیخ علی
ن ثابت الہ آبادی کا ایک رسالہ رسالۂ مخلص کاشی
قدمین اور متاخرین دونوں کے اشعار بطور سند پیش
ہار عجم مصطلحات و محاورات کی ایک جامع لغت
ختلف مجموعوں کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہے، خان آرزو

ست ومثل اور دریں عصر ہم نرسیدہ و درایں
نگ است"

ہ خود مصنف نے اس کو سات مرتبہ مرتب کیا،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خان آرزو جیسا استاد بھی ٹیک چند بہار کی عظمت کا قائل ہے،

بہار عجم کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی جامعیت ہے، بہار نے تیس سال کی تحقیق و تنقید کے بعد اس لغت کو مرتب کیا ہے،

بہار عجم کے سات اڈیشن نکلنے کے بعد ۱۷۶۸ء میں مولف کے ایک شاگرد واندرمن نے آٹھواں اڈیشن پایۂ تکمیل کو پہنچایا، اس اشاعت کا ایک نسخہ جو اندرمن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے بانکی پور پٹنہ کی لائبریری میں موجود ہے،

اندرمن کے اڈیشن سے الگ بھی مولف کے ساتویں نسخے سے ایک اور متن تیار کیا گیا۔ اس کا مرتب دھرم چند بن منشی دیپ چند ابن برج لال تھا، اس متن کے ترقیمے کی بعض اہم باتیں یہ ہیں[1]:-

"بہار نے اپنی کتاب کو اصلاح و ترمیم کے بعد بخط نستعلیق سات بار لکھا، آٹھواں اڈیشن ضعف پیری کی وجہ سے مرتب نہ ہو سکا، تو اندرمن نے جو دستور الحسنات کا مصنف اور بہار کا خاص شاگرد تھا، آخری نسخہ مع نوادر و مصادر اور چند اور کتب جو مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں حاصل کیں، اور بہار عجم کا انتخاب کیا اور اس میں ایک خاتمے کا اضافہ کر کے اس کو اپنا مال بنا کر استاد پر زیادتی کی، اندرمن ہی کے شاگرد برج لال نے بہار کا اصلی نسخہ اپنے استاد سے حاصل کر کے کسی کی امداد و اعانت کے بغیر ان کی مدد سے تین بار از سر نو اس کو مرتب کیا، اور اصل کے مطابق بنا کر رائج کیا جس سے اندرمن کا نسخہ غیر مقبول ہو گیا"

مگر یہ کہنا سراسر غلط اور ناانصافی ہے کہ اندرمن نے بہار کے کارنامے کو اپنی کوشش کا

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) مرتبہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد ۴ ص ۹۹۹

ع کے ساتھ بہار کا ذکر کیا ہے، بظاہر مروجہ نسخے اندرمن اور برج لال

ایک شاعر اور نقاد ہے، جس کی دو تصانیف "مطلع السعدین"

طلحات الشعرا مرتب کی، یہ لغت پندرہ سال کی محنت میں

ورات اور مصطلحات کا مجموعہ ہے، مؤلف دیباچہ میں لکھتا ہے

دواوین کا مطالعہ کرتا رہا، اس سلسلے میں فارسی کے نادر

م ہوا، مجھکو ان کے حل کرنے کا خیال پیدا ہوا، اس کے لیے

لیکن ان سے کوئی خاص مدد نہ ملی، اس لیے ایرانی زبان دان

پندرہ برس گذر گئے، اس کے بعد یہ مجموعہ تیار ہوا، بعض محاورے

خیال سے کہ اس کا فائدہ عام ہو، ان کو بھی شامل کر لیا گیا،

ک قرار دیا گیا ہے، شامل نہیں کیے گئے۔

کشف اللغات، مؤید الفضلا، مدار الافاضل، قاموس،

شادی آبادی، شرح قصائد انوری فراہانی، لطائف

، وغیرہ سے مدد لی ہے، ترکی لغت کی ایک کتاب سے

ج اللغات کا ذکر بھی کتاب میں جا بجا ملتا ہے،

محاورے اور اصطلاح کو تنقیدی نگاہ سے دیکھتا ہے،

اب میں شامل کرتا ہے، چنانچہ اس نے سراج اللغات

اصطلاحات بھی مصطلحات الشعرا میں شامل کی ہیں

چنانچہ اس میں مثنویوں، پہلوانوں، بازی گروں کے خاص الفاظ اور اصطلاحات ملتے ہیں، ہندوستانی شعرا کے اشعار بہت کم درج کیے ہیں، ہندی الاصل محاورات کو بھی اپنی کتاب میں شامل نہیں کیا ہے، الفاظ کی تشریح میں ہندی مترادفات استعمال کیے ہیں، مثلاً "تفتان" پراٹھا۔ "جامۂ ناشوی" کورا۔ "چراغ ہندوا فروختن"۔ دوالیہ ہونا وغیرہ۔

محمد غیاث الدین رامپوری نے ۱۸۲۳ء میں غیاث اللغات کے نام سے ایک فرہنگ مرتب کی، اس کے دیباچے میں لکھتا ہے کہ اس لغت کی تصنیف میں اس نے منتخب اللغات، کشف اللغات، مدار الافاضل، مؤید الفضلا، فردوس اللغات، برہان قاطع، فرہنگ جہانگیری، چراغ ہدایت، سراج اللغات، مصطلحات الشعراء، بہار عجم، فرہنگ سروری، معربات عبد الرشید، اور بعض تفاسیر، مثلاً تفسیر حسینی اور بیضاوی اور آئین اکبری وغیرہ سے مدد لی ہے، اس میں بہار عجم اور دوسری لغات سے اکثر مقابلہ بھی کیا گیا ہے، سند میں اساتذہ کے اشعار پیش کیے ہیں،

عطاء اللہ دانشور خاں ندرت کشمیری نے آئین عطا لکھی جس کو خان آرزو نے اپنی سراج اللغات کا سرقہ کہا ہے، ندرت نے لکھا ہے کہ اس کام میں بیس سال صرف ہوئے اور اس کی بنیاد سراج اللغات اور بہار عجم پر ہے، اس بیان سے خان آرزو کے عائد کردہ الزام کو تقویت پہنچتی ہے۔

ضخامت کے اعتبار سے آئین عطا بہار عجم جیسی ہے، خان آرزو نے تنبیہ الغافلین میں حزیں پر سخت تنقید کی ہے، اور ندرت نے اس کی تعریف میں غلو سے کام لیا ہے، اور اسے شیخ المحققین کا لقب دیا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں ہے، جو خود ندرت کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

دور کا ترکی ادب

بی صاحب ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ن ہے، اس کا تعلق نہ تو عبرانی اور عربی جیسی سامی زبانوں
ئی زبانوں سے۔ یہ بذات خود ایک مستقل زبان ہے،
لتی ہے، جس کو تورانی خاندان بھی کہتے ہیں، اسوقت
تی ہے اور دس ملکوں میں اسے قومی زبان کا درجہ
ں کی تعداد اس وقت تقریباً بارہ کروڑ ہے جو دلاکھ
ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود اس زبان کا قدیم ادبی
اب تک کہ تمام دریافت شدہ قدیم تحریروں
صرف چھٹی صدی عیسوی کے ترکی ادب کے چند نمونے
نوں کی بنا پر یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کا ابتدائی
ں کے مخصوص رسم الخط میں تحریر کیا جاتا تھا، رفتہ رفتہ
شوں کی بولیوں سے لیکر چین کے شمالی علاقوں کی
ور بعد میں اسلام کے حلقہ بگوش ہونے اور مسلم علاقو
ں میں نہ صرف عربی و فارسی زبانوں کے صرف الفاظ

ضمون دیکھئے جو ہند کا انسائیکلوپیڈیا میں شایع ہوا ہے۔

شامل کیے بلکہ ان زبانوں کا طرز تحریر بھی اپنا لیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ ترکی زبان کی قدیم فطری خصوصیات ختم ہوگئیں، اس وقت سے ترکی تحریروں میں دوسری زبانوں کے الفاظ کی بھرمار ہوگئی تھی، ان کے معنی اور تصریف کے قاعدے بھی اصل زبانوں کے مطابق ہوگئے اور ان کے اسما اور افعال بجنسہ استعمال ہونے لگے اور اس کثرت سے کہ عبارت میں تکلف اور اجنبیت پیدا ہوگئی اور زبان بوجھل بن گئی، ان اجنبی الفاظ، خیالات اور تصورات کے علاوہ ترکوں نے بڑی حد تک اپنے بہت سے اصل اور عام فہم الفاظ کو بھی عربی و فارسی لفظوں سے اس غرض سے بدل دیا کہ ان کی تحریر شستہ اور اسلوب بیان پر شکوہ بن جائے[1]۔ اس رجحان نے یہاں تک ترقی کی کہ دولت عثمانیہ کے عہد زریں کی زبان پر غیر ترکی، خاصکر عربی و فارسی عناصر اس طرح مسلط ہوگئے جس سے یہ غیر متعارف اور ادق طرز تحریر ترکی کے کسانوں اور عام قصباتی عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوگیا، اسی طرح ترکی شعراء نے بھی اپنی نظموں کی بحروں اور اسلوب بیان کو عربوں اور ایرانیوں کے مذاق کے مطابق ڈھال لیا تھا، اس لیے یہ ادب زبان اور خیالات دونوں اعتبار سے مذاق جمہور سے الگ ہوگیا، اس پر تصنع اور نمائش کا شدید غلبہ تھا، اور عبارت آرائی ہی کو خوبی سمجھا جاتا تھا، اسی طرح ان کے یہاں فن پر زور تھا، موضوع کی کوئی اہمیت نہ تھی، یہ ادب فطری احساسات اور آمد سے عاری اور روایتی ہیئت کا سخت پابند تھا[2]۔ اور اس کی بنیاد نقط لفظی صنعتوں پر تھی، اس کے موضوع عشق و عاشقی حسن و جمال، بہار و گلشن، گل و بلبل کے افسانے، وصل کی لذت

---

[1] مثال کے طور پر راقم کا مضمون "مولانا روم کے ترکی اشعار" دیکھئے جو مجلہ علوم اسلامیہ" علی گڑھ (ج ۳، نمبر ۲) میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کی دوسری قسط "فکر و نظر" (جلد ۵۔ نمبر ۱) میں شائع ہوئی ہے [2] مزید تفصیلات کے لیے راقم کا مضمون "ترکی زبان کے رجحانات کی اجمالی سرگذشت" دیکھئے جو رسالہ فروغ اردو" لکھنؤ دسمبر ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا ہے۔

...سلاطین و وزراء کی مدح سرائی تھی، اور شعری ادب
...ں اجتماعی فکر پیدا کرنے کے ناقابل ہوگیا تھا،
...رپ کی عام بیداری، صنعت وحرفت، علم وفن اور آداب
...ں انقلاب پیدا کردیا، فرانسیسی افکار اور فرانسیسی مذاق
...متاثر کیا اور ان کا اسلوب بیان اور موضوع کلام بدلنا
...لم نے اپنی سیاسی اور ادبی تنقیدوں، فلسفیانہ اور عمرانی
...بوں کے ترجموں سے ترکی ادب کے طرز تحریر اور اسلوب بیان
...ع کردی اور جلد ہی ان کا ادب اپنے خیالات اور طرز ادا
...ی حد تک آزاد ہوگیا، لیکن اب فرانسیسی رنگ میں ڈوب
...سی ہی نہیں بلکہ نقالی کرنے لگا، اس طرح خارجی اثرات
...گ عظیم اور انقلاب اتاترک نے ختم کیا[1]، غالباً اسی وجہ سے
...ماتت کے عہد میں شروع ہوچکا تھا، لیکن اصل تبدیلی جنگ عظیم
...کے نظام کہن ہی کو پاش پاش نہیں کیا بلکہ اس کے تمدن،
...بھی اثر ڈالا، اس اثر کو رسم الخط کی تبدیلی نے اتنا گہرا کردیا
...نیاد و شروع ہوگیا،
...وہ کشمکش ختم ہوگئی ہے جو ایک عرصے سے جاری تھی،
...ادب کی نقالی سے آزاد ہوکر خالص ترکی کا ایسا جدید
...ہے اور گہرائی بھی، اس جدید ترکی ادب کے علمبردار مشہور ترک

...جس کو ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ۱۹۶۲ء میں شائع کیا۔

مفکر ضیا گوک آلپ[1] ہیں، لیکن میرے نزدیک اس میں پیشوائی کا شرف رضا توفیق بولوک باشی کو حاصل ہے، بولوک باشی فلسفہ وتاریخ کے عالم، یورپین زبانوں اور ان کے ادب کے فاضل، سیاست کے ماہر، بے مثال خطیب اور بلند پایہ شاعر تھے، ان کی شاعری میں غنائیت، جذباتیت اور احساس کی شدت کا حسین امتزاج ہے، ان کے کلام میں انکا نظری رنگ نمایاں ہے، ان کو بکتاشی صوفیوں کے گیت بہت پسند تھے، اور انھوں نے اس رنگ میں بہترین رندانہ گیت لکھے ہیں، مذہبی احساسات کو نظم کا جامہ پہنانے کا سہرا محمد عاکف ارسوا کے سر ہے، جو عروضی اوزان کے استاد، اپنے وقت کے بڑے خوش بیان واعظ، عمرانیات کی بعض کتابوں کے مصنف اور مذہب اسلام کے دل وجان سے شیدائی تھے، انھوں نے روزمرہ کی زبان میں گہرے مذہبی جذبات کے ساتھ قومی تحریک کے خلاف مضامین بھی لکھے اور اپنے سادہ وسلیس اشعار میں ترکوں کے زوال کا ماتم کرتے ہوئے اس کا اصل سبب مذہب سے بیگانگی اور سچے ایمانی جذبات سے انحراف کو قرار دیا، ان کی باتیں اگرچہ نقار خانے میں طوطی کی آواز کے مانند تھیں، تاہم ان کی شاعری نے ان کو ایسی مقبولیت اور شہرت عطا کردی کہ ترکی جمہوریہ کا قومی ترانہ لکھنے کا شرف بھی ان ہی کو حاصل ہوا جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

"ڈرو مت یہ سرخ پرچم جو شفق میں لہرا رہا ہے
اس وقت تک سرنگوں نہ ہوگا جب تک میرے وطن کے ایک بھی گھر کے چولھے
میں آگ روشن ہے۔
وہ میری قوم کا ستارہ ہے اور درخشاں رہے گا۔

[1] مزید معلومات کے لیے دیکھئے ضیاء الحسن فاروقی کا مضمون بعنوان "تہذیب وتمدن" جو "جامعہ" بابت ماہ مارچ ۱۹۶۱ء (ج ۵۴ شمارہ ۵) میں شائع ہوا ہے، اس مضمون کی دوسری قسط بعنوان "ضیاء گوکلپ" "جامعہ" بابت ماہ جون ۱۹۶۴ء (ج ۵۰ شمارہ ۶) میں شائع ہوئی ہے۔

قوم کا ہے۔"

ے بلند پایہ شاعروں میں ناظم حکمت اشتراکی ہونے کے باوجود

ہیں، ان کی نظمیں ہیئت اور انداز بیان کے لحاظ سے

ملا جلے کی بنا پر ان کی آواز ترکی ادب میں ایک الگ تھلگ

ریہ کی حکومت نے ترکی سے جلا وطن کر دیا تھا، اور ۱۹۵۱ء

اختیار کر لی تھی، ترکی میں ان کی تصانیف کی اشاعت بھی

باوجود ان کی قدر و قیمت کم نہیں ہوئی، اور آج بھی انکی

انھوں نے سرمایہ داروں اور ان ادیبوں کے خلاف

ے حامی ہیں، انھوں نے قدیم ادبی روایات میں تجدد پیدا

کا بھی استعمال کیا ہے۔ ان کی بعض نظموں کی بحریں اتنی

میں صرف ایک ہی لفظ ہوتا ہے، مگر اس میں ایسی دلکش

ندگی بخش بھی، ناظم حکمت نے ترکی کے اس سماج کی سچی

واسطہ تھا، اس لیے ان کی کھینچی ہوئی تصویروں سے وہ

ابھی تک ناظم حکمت کے زمانے کو نہیں بھولے ہیں، انھوں نے

اور تمثیلات کے استعمال سے زبان کو مالا مال کر دیا،

ل آنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا لیکن یہاں کے باشندوں

اظہار انھوں نے اپنی متعدد نظموں میں کیا ہے، ان کی ایک

نقلابی سے متعلق ہے، اس نظم میں جو پہلی بار ۱۹۳۴ء میں

ومت کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے لیکن میرے خیال میں

ان کی سب سے اچھی نظم وہ ہے جس میں انھوں نے مغربی اقوام کو یہ بتایا ہے کہ مشرق کیا ہے اور جو اس طرح شروع ہوتی ہے:۔

"رازہائے سربستہ
قناعت
قسمت
سرائے
کارواں
چاندی کے تھال میں ایک شہزادی ناچتی ہوئی۔
مہاراجہ
بادشاہ
ہزاروں برس کا بوڑھا درویش
ایک عورت ناک پر مہندی لگائے، بڑے کپڑا بنتی ہوئی۔
سبز داڑھی کا امام، منارہ پر اذان دیتا ہوا
یہ مشرق!
نہ پہلے تھا نہ اب ہے، نہ کبھی ہوگا۔
مشرق وہ ملک ہے جہاں ننگے مزدور محنت کا پسینہ بہاتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔
مشرق وہ سرزمین ہے جو ہر قوم کی ملکیت ہے سوائے خود اہل مشرق کے"۔

ناظم حکمت کے بعد ترکی کے بلند پایہ شاعروں میں یحییٰ کمال بیاتلی کا نمبر ہے، جن کو ہمہ گیر مقبولیت حاصل ہے، ان کو حقیقت نگاری، فطرت اور جذبات و تاثرات کی مصوری میں کمال

ون اور رباعیوں میں بلندی وسادگی اور ترنم ولطافت اس طرح
ا روشنی ودگرمی، انھوں نے "فن برائے فن" کے اصول کو بدستور
قلید میں وزن اور قافیہ کا احترام بھی کیا، لیکن نئے خیالات کے
ستعاروں کو بھی سہارا لیا ہے، انھوں نے وزن کی تقسیم اور قافیوں
، کام لیا ہے، جس کو دوسرے اچھے شعرانے بھی قبول کر لیا
ند حمدی تانپینار، نجیب فاضل کیساکورایک اور احمد موحیف

ن میں ترکی کے پہلے سفیر مقرر ہوئے تھے، یہاں ان کا قیام
، لیے وہ پاکستان کے ادبی حلقے میں کافی مقبول ہو گئے تھے،
سابق پاکستانی سفیر متعینہ ترکی جمہوریہ میاں بشیر احمد نے ان کی
' کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے، جو درج ذیل ہے، اس سے
ل کا اندازہ ہو جائے گا:

خاموش جہاز

ا زانہ — ہوتا ہے جہاز ایک کنارے سے روانہ
علوم — حیراں ہے نظر، عقل ہے اس علم سے محروم
و ئی — یعنی کہ نشاں زیست کا ظاہر نہیں کوئی
ی نے — رومال بھی ساحل سے ہلایا نہ کسی نے
ی النا ک — دن رات افق پر ہے نظر آنکھ سے نمناک
ں باقی — زندوں کے لیے حیف ہیں غم اور بھی باقی

محبوب چلے جاتے ہیں دلگیر نہ کیوں ہوں؟ — فرقت ہے غضب شاکی تقدیر نہ کیوں ہوں؟
کیا دیکھتے ہیں کاش کوئی ان کو بتائے — اس جا سے گئے جو کبھی واپس نہیں آئے
واپس نہیں آئے کبھی برسوں سے مسافر — جس جا ہیں وہاں شاید ہی ہوں گے نہ وہ آخر[1]

دو اور ترکی شاعر جن کا ابھی چند سال پہلے انتقال ہوا ہے، ایسا کلام چھوڑ گئے ہیں، جو عرصہ تک عوام میں مقبول رہے گا، ایک جاہد صدقی ترنجی جن کی زبان اتنی سادہ اور فطری ہے جس میں زور بھی ہے اور تاثیر بھی، دوسرے اورخان ولی کانک[2]، جنھوں نے اپنی شاعری میں تعمیری اور معاشرتی رجحانات کی بھی ترجمانی کی ہے، اور زبان کی سادگی و مکالمانہ انداز بیان کے ذریعہ شاعرانہ حسن پیدا کیا ہے، ان کے علاوہ ترکی کے جمہوری دور کے ممتاز شعراء میں اورخان سیفی اورخان، یاشر نبی نائیر، بہجت، ملیح جیودت، فاضل حسنو داغ لرجا، بدری جی ایوب اوغلو، اوکتائے رفعت، کمال الدین کامو، آصف خالد چلیبی، اتیلہ الحان، صباح الدین قدرت اکسل بھی قابل ذکر ہیں۔

موجودہ ترکی شعراء الفاظ کا رشتہ حقیقت سے جوڑنے اور زندگی کے سماجی، معاشی اور تہذیبی پہلوؤں کو واقعیت پسندانہ اور فنکارانہ طریقہ سے بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، عثمانی دور کے قدیم شاعروں کی طرح وہ سیاسی، سماجی اور معاشی قدروں کے ذکر سے جی نہیں چراتے، اور حقیقت سے دور طلسمی وادیوں میں نہیں گھومتے، وہ جمہور کے درمیان رہتے ہیں، اس لیے اپنے کلام میں انکو جگہ دیتے اور ان میں تنقید کی قوت اور اجتماعی فکر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی شاعری کے اوزان، اصناف اور موضوعات بھی اب بدل گئے ہیں،

---

[1] رسالہ فکر و نظر (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) جلد ۵، نمبر ۲ (۱۹۶۴ء) ص ۸۳
[2] راقم کا مضمون دیکھئے جو "اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" کی پہلی جلد میں شائع ہوا ہے۔

ں ہی کا ایک تسلسل ہے، ڈراما، ناول اور افسانہ البتہ انکے
ان کے بعض شاہکاروں کی شہرت بیرونی دنیا تک
ے بازگشت سنائی دینے لگی ہے،

ور افسانہ نگاروں میں خانم خالدہ ادیب ادیوار[۱] کا
ہے، ان کے تین ناول "ینی توران"، "آتش تن گوملک"
ورطرز ادا کی وجہ سے کلاسیکی ادب میں شمار ہوتے
رو داد بیان کی گئی ہے، ترک ان ناولوں کو بہت
پ چھاؤں دکھانے کی صلاحیت کا مظاہرہ یعقوب قادری
خالدہ ادیب ادیوار کی طرح صرف انگریزی زبان ہی
طالوی زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکے ہیں، جو اپنی زبان،
ی وجہ سے بہت مقبول ہیں، ان کا ایک ناول "نوربابا"
اس میں انھوں نے بکتاشی سلسلے کی اندرونی زندگی
د رسومات پر سخت حملے کیے ہیں، ان کے دوسرے
ب ترکی کے گاؤں کی ستم رسیدہ زندگی کو فنکارانہ

ادری قرہ عثمان اوغلو کو ترکی کے باہر بھی مقبولیت
زیادہ شہرت حاصل کی وہ رشاد نوری گونتکن ہیں،

ضمون "خالدہ ادیب خانم" دیکھئے، جو جامعہ کے شمارہ

یہ تیس ناولوں اور ڈراموں، چار مختصر افسانوں کے مجموعوں، سات تراجم اور چند علمی تصانیف
کے مصنف ہیں، انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ڈرامے کے نقاد کی حیثیت سے کیا اور
یورپ کے ڈراموں کی وسیع معلومات حاصل کرنے کے بعد خود کامیاب ڈرامے لکھے، اور بعض
مغربی ڈراموں کو اس طرح اپنایا کہ ان کے ہیروؤں کو ترکی کی بساط پر بٹھا دیا۔ اس کامیابی کے
بعد انھوں نے ناول اور افسانے لکھنا شروع کیے اور جلد ہی مقبول عام ہو گئے، انکے
دو ناولوں کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے، جو ہر حیثیت سے دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے
ناولوں کی ٹکر کے ہیں، ان کا سب سے زیادہ مشہور ناول "چالی قوشو" ہے، جس میں اس عہد
کے سماج کی مکمل تصویر ملتی ہے، اس ناول میں گونتکن نے مفصلات کی ایک ایسی خود سر معلمہ
کی سیرت بیان کی ہے جو عین شادی کے دن اپنے منگیتر سے عقد کرنے سے انکار کر دیتی ہے،
یہ خود سر لڑکی اناطولیہ میں ادھر اُدھر گھومتی رہتی ہے، جہاں اسے کئی حادثات پیش آتے ہیں،
بالآخر وہ واپس آکر اپنے اسی منگیتر سے شادی کر لیتی ہے، اس ناول کا موضوع، جو تقریباً
چار سو صفحات میں بیان کیا گیا ہے، سیدھا سادھا ہے، اور فن کی حیثیت سے اس میں
کچھ خامیاں بھی ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ ناول سرتاپا ترکی ہے، اس میں اناطولیہ کے دیہات
کے متوسط اور اونچے طبقے کے حالات و کوائف، بہار کی رنگینیوں اور موسم خزاں میں
وہاں کے باشندوں کی سرمستیوں اور مختلف انسانی جذبات کو ایسے حقیقی اور دلکش
انداز میں بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا اس کو ختم کیے بغیر نہیں رہ سکتا،

ارجمند اکرم تلو بھی اپنی موثر حقیقت نگاری کی وجہ سے بہت مشہور ہیں، ان کے بعض
افسانے اور چند ناول پڑھنے کے قابل ہیں، موجودہ دور کے ناول نگاروں میں یوں تو
آقا گوندوز، پیام صفا، جلال الدین، سواد درویشی، محمود یساری، کریمہ نادر،

...کمال، عبدالحق حصار، اتیلا الحان اور افسانہ نگاروں
...سال، سعید فائک، عزیز اور خلدون تونر بھی
...ارجمند اکرم تلو کی شخصیت اپنی فنی صلاحیت،
...جہ سے ان سب سے علٰحدہ ایک مستقل حیثیت
...ن وایمان" میں ان ترک خواتین کی جانبازی
...نے بہادر شوہروں کے دوش بدوش اتاترک
...یا ہے، ان کا، دوسرا ناول "گوش باترکن"
...قت، فن اور اخلاقی درس باہم سموئے گئے
...بھی قابل ذکر ہے، جو ستر ہویں صدی کے
...کے "سیاحت نامہ" کی مزاحیہ نقل ہے، اس کا
...ختراعات اور بود و باش کے نئے نئے طریقوں
...ہے، لیکن اس کامیابی کے باوجود ان کو
...کہا جا سکتا، اس فن کے ممتاز نمایندے

...غیر معمولی کمال حاصل ہے، وہ استانبول کی
...ے خیالات ادا کرتے ہیں، جو سادہ ہونے کے
...ہے، انھوں نے اپنے چبھتے ہوئے انداز
...کیے ہیں، اور سیاست میں ان سے جو غلطیاں
...ت کے ساتھ ان کو قصہ لکھنے کا سلیقہ بھی آتا ہے،

انھوں نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں ترکوں کی زندگی کے خد و خال کی مصوری حقیقت نگاری کے موئے قلم سے کی ہے، جن کے رنگوں میں باسفورس میں غروب آفتاب کا منظر نظر آتا ہے، ان کے اس وصف نے ان کو ظرافت کا استاد بنا دیا ہے، ترکی کے قدیم مورخ نائمہ کی عبارت کی مزاحیہ نقل کرتے ہوئے انھوں نے دستوری حکومت[1] کے خاص خاص افراد اور واقعات کا بھی خوب خاکہ اڑایا ہے، ان کی مشہور کتاب "مملکت حکایہ لری" کا موضوع زیادہ تر زندگی کے وہ پہلو ہیں جو کمردہ اور حقیر خیال کیے جاتے ہیں، لیکن ان کے ظریفانہ استعارے اور چلتے ہوئے فقرے اس میں جان پیدا کر دیتے ہیں، یہ فن اس وقت ترکی جمہوریہ میں تیزی سے ترقی کر رہا ہے اور ترکی کے ظریفانہ رسالوں اور اخباروں میں یوسف ضیا، فضل احمد آئسے کاچ، خلیل نہاد بوزتپہ، ابراہیم علاء الدین، عثمان جلال، جمال نادر وغیرہ کی ظرافت کے نمونے نظر آتے رہتے ہیں

ایک اور بڑی اچھی اٹھان کا نوجوان ادیب محمود مکال ہے جو پانچ کتابوں اور متعدد مقالوں کا مصنف ہے، یہ ترکی کے ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا ہے، اس کی کتابوں کے آئینہ میں کاشتکاروں کے مصائب آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں، جو ترکی جمہوریہ کی آبادی کا سب سے بڑا حصہ ہیں، اور پھر بھی مظلوم ہیں،

اس وقت سب سے زیادہ ترقی کے آثار علمی میدان میں نظر آتے ہیں، آج سے ساٹھ سال پہلے ترکی میں کوئی تاریخ کی کتاب یا سوانح عمری علمی اصولوں پر نہیں لکھی گئی تھی، تاریخ کی کتابیں عموماً تالیفات ہوا کرتی تھیں، جن میں تحقیق بہت کم ہوتی تھی، لیکن

---

[1] دیکھئے راقم کی کتاب "ترکی" جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ادارۂ علوم اسلامیہ نے شائع کی ہے۔

ری طوفان۔ انور ضیا کارال، طارق تونایا،

بوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس فن میں ترکوں نے

ب پرتحقیق وتنقید کا کام کرنے والوں میں حسن علی یوبل،

ماد سمیع بنرلی، اسمٰعیل حبیب سیوک، نوراللہ آتش،

ی حصار، فواد کوپرولو، مصطفیٰ نہاد اور محمد قاپلان

ی امید ہوتی ہے کہ ان کے نکھرے ہوئے تحقیقی و

ادب پیدا ہوگا۔

جاہلی شاعری میں زہدیہ رجحانات

از

جناب حافظ غلام مصطفیٰ صاحب ایم اے استاد شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۲)

ابھی تک جاہلیت کے صرف ان شعراء کے کلام پر گفتگو تھی جو کسی مذہب کے قائل نہیں تھے یا مشرک و بت پرست تھے، اب ہم ان شعراء پر بھی ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں جو شرک و بت پرستی سے متنفر اور کسی توحیدی مذہب سے وابستہ تھے، یعنی یہودی یا نصرانی یا حنیف تھے انکا کلام نسبۃً کم ملتا ہے لیکن جو کچھ بھی ہے وہ معانی ومطالب، الفاظ ومحاورات اور انداز بیان کے لحاظ سے بت پرست بدوی شعراء کے کلام سے بہت کچھ مختلف ہے، ان کے اشعار میں زہدیہ خیالات بھی زیادہ اور وضاحت کے ساتھ پائے جاتے ہیں، بت پرست شعراء کے یہاں تو یہ خیالات ضمنی طور پر کسی اور موضوع کے تحت آتے ہیں لیکن ان شعراء نے مستقل نظمیں عبرت پند وموعظت اور اخلاق وحکمت ہی کے موضوع پر کہی ہیں، جنکے اندر موت وفنا، زوالِ دنیا اور بے ثباتیٔ عالم کی تصویر ملتی ہے، اور یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ان امور کے بیان سے ان کا مقصد خوفِ آخرت، اصلاحِ عمل، تادیبِ نفس، تقویٰ وطہارت، اور زہد وقناعت کی ترغیب ہے،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بت پرست شعراء کے ذہن میں جب انقلاباتِ زمانہ کے واقعات

ہو جاتی تھی تو ان کا دل بھی بے چین ہو جاتا تھا لیکن زندگی کا
ں کے بعد کی دنیا ان کی نگاہوں میں تاریک تھی، وہ عموماً
بعد کسی دوسری زندگی کا تصور ان میں نہیں تھا، اس لیے وہ
یا شجاعت و بہادری اور سخاوت و فیاضی کی ترغیب دیتے
ے طور پر باقی رہیں، اور اس طرح ان کا نام زندہ رہے یا
رجب تک زندگی ہے دنیا کی لذتوں سے پوری طرح لطف اندوز

عرا موت کو زندگی کی آخری منزل نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اسکے
کا تصور ان کے ذہن میں پوری طرح واضح تھا، اسی کے
ھتے تھے، چنانچہ ان کے اشعار میں موت و فنا کے ذکر کے
ور سیاق و سباق سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان بیانات
ت لوگوں کو مائل کرنا تھا۔

دا میں پائے جاتے ہیں، اس موقع پر اس کے صرف چند

تے ہیں جو حنیفیت کا قائل تھا، ظہورِ اسلام سے قبل عرب کے
ملتا ہے جو اپنے قبیلہ والوں کے عام مذہب یعنی شرک و
مذمت بھی کرتے تھے، اور یہ لوگ یہودیت یا نصرانیت
ں ملت ابراہیمی کا تبع سمجھتے تھے ان ہی میں سے بعض کی

، بیروت، ۱۸۹۰ء، ص: ۲۱۹ و ما بعد

طرف کچھ اشعار بھی منسوب ہیں، اس لیے ان کا شمار جاہلی شعراء میں بھی کیا جاتا ہے، مثلاً امیہ بن ابی الصلت، ابو قیس صرمہ بن ابی انس اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ، امیہ اور ابو قیس کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ زاہدانہ اور متعبدانہ زندگی بسر کرتے تھے اور اون کا موٹا لباس پہنتے تھے، لیکن حنیفی شعراء میں سب سے زیادہ اشعار امیہ ہی کے پائے جاتے ہیں، اس کے متعلق بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا بھی جانتا تھا اور اس نے مختلف مذاہب کی قدیم کتابوں کا مطالعہ بھی کیا تھا، موت کے موضوع پر امیہ کے یہ دو شعر بہت پسند کیے جاتے ہیں:

یوشک من فر من منیته   فی بعض غراته یوافقها[1]

من لم یمت غبطة یمت هرما   للموت کأس والمرء ذائقها

(آج جو شخص موت کے حملہ سے بچ گیا وہ جلد ہی کہیں غفلت میں پھر موت سے دوچار ہوگا۔ جو جوانی میں نہیں مرا وہ بڑھاپے میں مرے گا۔ موت کا پیالہ تو ایسا ہے کہ اسے بہرحال انسان کو پینا ہے)

ایک موقع پر دنیا کے زوال اور زمانہ کی ہلاکت خیزی کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح درس عبرت دیتا ہے:

کل شئ وان تطاول دهرا   منتهی امره الی ان یزولا[2]

فاجعل الموت نُصب عینک واحذر   غولة الدهر ان للدهر غولا

(ہر زندگی کا انجام زوال اور فنا ہے خواہ وہ کتنی ہی طویل ہو۔ پس تو موت کو اپنی نگاہ کے سامنے رکھ اور زمانہ کی ہلاکت خیزی سے ڈرتا رہ۔ یقیناً زمانہ بہت ہی ہلاکت خیز ہے۔)

ایک طویل نظم میں امیہ نے پہلے خدا کی ذات و صفات اور ملائکہ وغیرہ کا بیان تفصیل کے ساتھ کیا ہے، پھر کہتا ہے کہ خدا ہی کے لیے بقائے دوام ہے، اس کے سوا ہر چیز فانی ہے، اس کے بعد خود اپنی ذات کو مخاطب کر کے انقلاباتِ عالم، حوادثِ زمانہ، اور زوالِ دنیا کا بیان بڑے مؤثر

[1] شعراء النصرانیۃ، ص: ۲۳۵ [2] ایضاً ص ۲۲۵

ساتھ حق پرستی، راست روی، خوفِ موت اور فکرِ آخرت کی تلقین

ر ملاحظہ ہوں:[1]

الیٰ ایّ حین منکَ ھذا التصدّدُ	س الھوی
ولیس یردّ الحق الّا مفنّدُ	یط عن ا یھدی

یں مبتلا ہے تو کب تک اس طرح حق سے اعراض کرتا رہے گا جیسے اندھا

حق سے وہی اعراض کرتا ہے جو ضعیف العقل ہوتا ہے۔)

وبینا الفتی فیھا مھیب مسوّدُ	لاھلھا
واصبح من ترب القبور یوسّدُ	زال نعیمھا
وجاور موتی مالھم متردّدُ	ین جانہ

نہیں رہتے، انسان شوکت وسطوت اور سیادت وامارت کی حالت

ہ دنیا پلٹ جاتی ہے، اس کی ساری نعمت زائل ہو جاتی ہے اور قبر

، اس کی روح جو اس کے سینہ کے اندر ہوتی ہے اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے

نچتا ہے جو کبھی واپس نہیں آسکتے۔)

لہ فی قدیم الدھر ما یتودّدُ	مخلّدا
سیکبو لھا والنائبات تردّدُ	ہ بعثرۃ
یصحبھا والدھر قد یتجرّدُ	طن اھلھا

ی کو دیکھا ہے جس کی مرغوب ومحبوب چیزیں اسکے پاس ہمیشہ باقی رہی ہوں۔ زمانہ

ا ہے وہ منہ کے بل گر پڑتا ہے اور حوادث ومصائب بار بار آتے ہیں

دنیا والے ایسا ہی سمجھتے ہوں اور زمانہ کبھی کھل کر سامنے آجاتا ہے۔)

الست تری فیما مضی لکَ عبرۃ	فمہ لا تکن یاقلب اعمیٰ یلدّدُ
فکن خائفا للموت والبعث بعدہٗ	ولا تکُ ممّن غرّہ الیوم او غدُ
فانکَ فی دنیا غرور لاھلھا	وفیھا عدوّ کاشح الصدر یوقدُ

(کیا ماضی کے واقعات میں تیرے لیے درسِ عبرت نہیں ہے۔ بس اے دل تو سنبھل جا اور اندھا مت بن جو ادھر ادھر بھٹکتا رہتا ہے۔ موت اور اس کے بعد کی زندگی سے ڈرتا رہ اور ان لوگوں میں سے مت ہو جا جو آج یا کل کی زندگی سے دھوکا کھا گئے، کیونکہ تو ایسی دنیا کے اندر ہے جو لوگوں کو بہت سخت دھوکا دیتی ہے، یہ دنیا ایک ایسے دشمن کے مانند ہے جس کے سینہ میں بغض و عداوت کی آگ بھڑک رہی ہے)

عیسائی شعراء میں عدی بن زید[1] سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ اس کے اشعار بھی نسبتہً زیادہ تعداد میں موجود ہیں، عدی کی زندگی کا بڑا حصہ حیرہ کے دربار میں گذرا، جہاں اس کو بڑی عزت حاصل تھی، اس کے آباء واجداد بھی ملوکِ حیرہ کے مقربین میں اور اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، اس کو شہنشاہ ایران کے دربار میں بھی خاص تقرب حاصل تھا، چنانچہ ایک بار کسریٰ نے اس کو سفیر کی حیثیت سے شاہ روم کے پاس بھیجا تھا، اگر عدی چاہتا تو خود حیرہ کا بادشاہ ہو جاتا، لیکن شاہانہ زندگی پر اس نے سیر وشکار اور لہو ولعب کی زندگی کو ترجیح دی، چنانچہ اس کے اشعار میں عیش ونشاط اور بادہ نوشی وغیرہ کا ذکر کافی ملتا ہے، اسی کے ساتھ زہدیہ رجحان کی بھی کمی نہیں ہے، یہ صحیح ہے کہ اس نے زاہدانہ زندگی نہیں گذاری، مگر اس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بے فکری اور استغنا کی زندگی پسند تھی، اور شروع ہی سے اس کی طبیعت عبرت ونصیحت کی طرف مائل تھی، چنانچہ اسکی ابتدائی زندگی کے جو اشعار ملتے ہیں، ان میں بھی زوال وفنا کا ذکر پایا جاتا ہے۔

---

[1] عدی کے حالات کے لیے دیکھئے: شعراء النصرانیۃ، ص: ۴۳۹ وما بعد

...تی ہے کہ عدی جب نوجوان تھا، ایک مرتبہ حیرہ کے بادشاہ کے
...ے ایک سرسبزو شاداب درخت کے سایہ میں قیام کیا، عدی نے
...ہ کہ یہ درخت کیا کہہ رہا ہے؟ پھر بادشاہ کے استفسار پر اس نے
...ے:

...سہ　　انہ موف علی قرن زوال[۱]
...ں لہا　　ولما تاتی بہ صم الجبال
...ولنا　　یشربون الخمر بالماء الزلال
...سن　　قطعوا دھرھم، غیر عجال
...رضوا　　وکذاک الدھر حالا بعد حال

...ں کو بتا دے کہ وہ زوال کی چوٹی پر کھڑا ہے۔ کیونکہ زمانہ کے
...ے کے آگے سخت چٹانیں بھی ٹھہر نہیں سکتیں۔ بہت سے قافلے
...ات و شیریں پانی کے ساتھ شراب پیتے تھے، عرصہ تک وہ
...ر انھوں نے بڑے اطمینان کے ساتھ زندگی گذاری۔ بالآخر
...سب فنا ہو گئے۔ زمانہ کے حالات اسی طرح بدلتے رہتے ہیں۔)
...ں اور شاہ حیرہ کا گذر جب ایک قبر پر ہوا تو اسی قسم کے سوال
...ی قبر سے یہ آواز آرہی ہے:-

...ر نا　　علی الارض المجدّ ونا[۲]
...کنا　　کما نحن تکونونا

---

۱ ...
۲ ایضاً ص ۴۴۲

(اے سوار و جو نئے لباس پہنے ہوئے میدان میں گھوڑے دوڑا رہے ہو۔ جیسے تم ہو
ایسے ہی ہم بھی تھے، اور جیسے ہم ہیں ایسے ہی تم ہو جاؤ گے۔)

عدی بن زید کے وہ اشعار خصوصیت کے ساتھ قابل ملاحظہ ہیں جو اس نے اپنی قید کے زمانہ میں کہے تھے، حیرہ کے آخری بادشاہ نعمان بن منذر، ابو قابوس نے اس کو مقید کر دیا تھا، حالانکہ عدی ہی کی تدبیروں اور کوششوں سے نعمان کو حیرہ کی بادشاہت ملی تھی اور اس سے قبل نعمان نے اپنی لڑکی "ہند" کی شادی بھی عدی کے ساتھ کر دی تھی لیکن آخر کار عدی حاسدوں کی سازش کا شکار ہو گیا اور نعمان نے اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جہاں اس صحرا الزرو قلندر اور سیرو شکار کے دلدادہ کو بڑی بے بسی اور کس مپرسی کے عالم میں زندگی کے آخری ایام گذارنے پڑے، اس زمانہ میں اس نے بہت سی نظمیں کہیں، جن میں اس نے اپنی صفائی پیش کی اور نعمان کو اپنے احسانات یاد دلائے، اور انقلاباتِ عالم و حوادثِ روزگار کا ذکر بھی بڑے مؤثر انداز میں کیا، یہ اشعار اسکی زندگی کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں، ایک زمانہ وہ تھا جب وہ بڑے عیش و عشرت اور عزت و رفعت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا، اور ایک وقت یہ ہے جب قید خانہ کی کوٹھری میں ذلت و نکبت کے دن گذار رہا ہے،

یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اشعار میں کبھی شراب و ساقی اور نغمہ و طرب کا ذکر کر کے اپنی گذشتہ پر مسرت زندگی کی عکاسی کرتا ہے، اور کبھی زوالِ نعمت و لذت اور موت و فنا کا بیان کر کے حسرت و افسوس کا اظہار کرتا ہے، اس طرح وہ نعمان کو نصیحت بھی کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنی موجودہ شان و شوکت اور طاقت و اقتدار پر مغرور اور حوادثِ ایام سے غافل نہ رہے، چنانچہ وہ بار بار گذشتہ بادشاہوں کے رعب و جلال، شان و شوکت اور ان کے محلوں اور قلعوں کی سطوت و عظمت کا ذکر کر کے ان کی تباہی و بربادی کا نقشہ کھینچتا ہے، اور اس کے

ں کرتا ہے، اسی کے ساتھ نعمان کے دل کو بھی موم کرنا چاہتا ہے،
سے رہا کر دے لیکن بدنصیب شاعر کو کسی طرح رہائی نہ مل سکی اور
ن نے بالآخر اسے قتل کرادیا،
ستعد و مثالیں عدی کے کلام سے پیش کی جا سکتی ہیں لیکن طوالت
ہ پر سرسری نظر ڈالتے ہیں، جس کا مطلع یہ ہے:۔

بکور — لك فاعمد لأى حال تصير[1]

والی ہے یا صبح۔ تو دیکھ کہ تیرا کیا انجام ہونے والا ہے)
توں اور مسرتوں کا ذکر کرتا ہے، پھر اپنے قید و بند کو یاد

لدھر — أأنت المبرأ الموفور
ی من — الایام بل انت جاھل مغرور

ں کو عار دلانے والے اور خوشی منانے والے، کیا تو ہمیشہ
ہے گا اور نعمت و مسرت سے برابر محظوظ ہوتا رہے گا؟
کا کوئی عہد نامہ تجھ کو مل چکا ہے؟ ایسا نہیں ہے بلکہ تو جاہل
(۔۔

ادث روزگار کا ذکر کرنے کے بعد کئی بادشاہوں کا نام لے لیکر
گئے جن کا آج کوئی نشان باقی نہیں ہے، گردش ایام نے کسی کو
، اور ان کا دربار ویران ہو گیا، آخر میں حیرہ کے ایک گذشتہ

بادشاہ نعمان اکبر کی شان و شوکت اور اس کے عظیم الشان قلعہ "خورنق" کا ذکر کرکے، قصیدہ کو اس طرح ختم کرتا ہے:۔

ثم بعد الفلاح والملك والنعمة — واراتھم، ھناك القبور[1]
ثم صاروا كانھم ورق جف — فألوت به الصبا والدبور

(ساری کامرانیوں، حکومتوں اور نعمتوں کے بعد بالآخر قبروں نے ان کو چھپا لیا۔ پھر وہ خشک پتوں کے مانند ہو گئے جن کو مشرق و مغرب کی ہوائیں اڑا لے گئیں۔)

عدی کے بعد عیسائی شعراء میں قس بن ساعدہ[2] کا نام قابل ذکر ہے، اس کا شمار جاہلیت کے مشہور خطباء میں ہوتا ہے، اس کے اشعار اگرچہ بہت قلیل مقدار میں پائے جاتے ہیں، صرف دو تین نظمیں، چند قطعات اور کچھ متفرق اشعار ہی دستبرد زمانہ سے بچ سکے ہیں لیکن جو کچھ بھی موجود ہے اس میں پند و حکمت اور زہد و تقوی کا رجحان غالب ہے، جو اس کی زندگی کے بالکل مطابق ہے، اس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ نجران کا اسقف تھا، اور عیسائی مبلغوں اور راہبوں کی طرح سیاحانہ زندگی گذارتا تھا، وہ عرب کے میلوں اور بازاروں میں بھی شریک ہوتا تھا اور وہاں موت دفنا، حشر و نشر اور جنت و جہنم کی یاد دلاکر وعظ و نصیحت کیا کرتا تھا۔ مثال کے طور پر چند اشعار کا یہ ایک قطعہ ملاحظہ ہو:۔

فی الذاھبین الاولین — من القرون لنا بصائر[3]
لما رأیت موارداً — للموت لیس لھا مصادر
ورأیت قومی نحوھا — تمضی الاصاغر والأکابر
لا یرجع الماضی ولا — یبقی من الباقین غابر

[1] شعراء النصرانیہ، ص: ۴۴۳ [2] قس بن ساعدہ کے لیے دیکھیے، شعراء النصرانیہ: ص ۲۱۱ و مابعد [3] ایضاً ص ۲۱۳

...ۃ حیث صار القوم صائر

...ں سے برابر گذرتے رہے ہیں ان کے اندر ہمارے لیے عبرت و
...ب میں نے دیکھا کہ موت کا گھاٹ ایسا ہے جہاں پہنچنے کے بعد
...ں قوم کو دیکھا کہ چھوٹے بڑے سب اسی گھاٹ کی طرف چلے جا رہے
...ہے اور نہ کوئی رہ جانے والا باقی بچتا ہے، تو مجھے یقین ہو گیا
...ے بھی لامحالہ وہیں جانا ہے۔)

...اشعار پر مشتمل ہے، اس میں اس نے عدی کی طرح گذشتہ زمانہ
...کر کے ان کی موت و ہلاکت کا نقشہ کھینچا ہے، اس کے
...یں :-

...ی ان الزمان یطیق نتف جناحی[1]

...ت بیضا متون عوارضی وصفاحی

...یکن یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ میرے بازو بھی نوچ سکتا ہے پس
...ت لپکا یہاں تک کہ میرے رخسارے اور پیشانی کے ارد گرد

...ہے ان کی کل تعداد چار پانچ سے زیادہ نہیں ہے، اور جو اشعار
...ں ہیں، ان میں صرف سموئل بن عادیا کا ذکر مختصر طور پر کیا جا سکتا
...ت اور زہد و قناعت کا عکس ملتا ہے، چنانچہ اس کی ایک نظم

...موئل، بیروت ۱۹۵۱ء، ص ۲۵

نطفۃ ما منیت یوم منیت امرت امرھا وفیھا بریت[1]

میت دھر قد کنت ثم حییت وحیاتی رھن بان سا موت

(جس دن میری تقدیر بنائی گئی مجھے ایک قطرہ کی شکل میں مقدر کیا گیا۔ اسے حکم دیا گیا اور اسی میری تخلیق کی گئی۔ میں بالکل معدوم تھا پھر وجود میں آیا اور میرا وجود میری موت کے ہاتھ میں رہن ہے)

اس کے بعد اس نظم میں شاعر نے حشر و نشر، حساب و کتاب، روز جزا و سزا کا بیان اور متعدد پیغمبروں کا ذکر کیا ہے، اور قناعت اور کسب حلال کی تلقین بھی کی ہے، نظم کے آخری دو شعر یہ ہیں:

لیس یعطی القوی فضلا من الرزق ولا یحرم الضعیف التحیت

بل لکل من رزقہ ما قضی اللہ وان حز انف المستمیت

(طاقتور کو مقسوم سے زیادہ رزق نہیں مل سکتا اور نہ کمزور کو اس کے رزق سے محروم کیا جا سکتا ہے، ہر ایک کو اتنا ہی رزق ملتا ہے جتنا اللہ اس کے لیے مقدر کر دیتا ہے، اگرچہ طلب رزق میں کوئی کتنا ہی ناک رگڑے اور جان کی بازی لگا دے۔)

موت و فنا کے موضوع پر سموئل کی ایک دوسری نظم کے یہ چند اشعار بھی قابل لاحظہ ہیں:

اسلم سلمت ولا سلیم علی البلیٰ فنی الرجال ذوو القوی ففنیت[2]

کیف السلامۃ ان اردت سلامۃ والموت یطلبنی ولست افوت

واقیل حیث اری فلا اخفی لہ ویری فلا یحیا بحیث ابیت

(سلامت روی اختیار کر تو سالم رہے گا اور فنا سے کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا، بڑے بڑے طاقتور لوگ فنا ہو چکے ہیں، پس مجھے بھی فنا سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اگر میں اس سے محفوظ

---

[1] دیوان السموئل بیروت ۱۹۵۱ء ص ۲۵ [2] ایضاً ص ۶۹

محفوظ رہ سکتا ہوں جب کہ موت مجھے تلاش کر رہی ہے، اور میں
د و پہر میں جہاں آرام کرتا ہوں وہاں بھی موت مجھے دیکھ لیتی ہے
سکتا اور جہاں رات بسر کرتا ہوں وہاں بھی اس کی نظر کے
کسی طرح عاجز و درماندہ نہیں ہو سکتی۔)

ت ہوتا ہے کہ جاہلی شاعری میں زہدیہ رجحانات کافی پائے جاتے
میں یہ رجحان عام نہیں تھا تاہم جاہلی شعراء کا کلام اس سے بالکل خالی نہیں
کے اسی کلام نے بعد میں اسلامی دور کے ان شعرا کے لیے نمونہ کا کام
پنی شاعری کا مستقل موضوع بنایا یا دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ
ہیں جیسا کہ اسلامی عہد کی عربی شاعری کے بیشتر موضوعات

ارمغانِ سلیمان

ل میدان تو مذہبی و علمی تھا، اور اس سلسلہ میں انھوں نے جو شاندار
کر کے منظر عام پر آ چکے ہیں اور اہل علم ان سے مستفید ہو رہے ہیں،
ان تمام کمالات کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو ودیعت فرمائے تھے،
تے، اور ان کی بعض بعض نظموں اور شعروں کی علامہ اقبال اور اکبر الہ آبادی
ت مسترشد مولوی غلام محمد صاحب حیدرآبادی مصنف تذکرہ سلیمان نے ان کے تمام
ب کر کے شائع کیا ہے جس میں مختلف عنوانات کے ساتھ ان کی زندگی کے

قیمت :- تین روپیے (سے ر)
، شرف آباد، کراچی۔

نوعی خبوشانی

از جناب ڈاکٹر سید امیر حسن صاحب عابدی، دہلی یونیورسٹی

ملا نوعی خبوشان کے رہنے والے تھے جو مشہد کے پاس ہے، امین احمد رازی لکھتے ہیں:۔

"خبوشان از جاہای نیک خراسان است۔ ملا کوخاں تجدید در صدد آبادانی
آں گردیدہ و نبیرہ اش ارغون نیز برآں عمارات افزود۔ در نزہت القلوب آمدہ
کہ خبوشان را در زبان پاستان استومی خوانند۔"[1]

مؤلف عرفات عاشقین نے نوعی کا پورا نام محمد صفائی اور مؤلف مخزن الغرائب
نے محمد رضا بتایا ہے، نیز مؤخر الذکر نے ان کو حاجی محمد خبوشانی کا نبیرہ لکھا ہے،[2] شہنشاہ اکبر
کے زمانہ میں نوعی ہندوستان آکر پہلے مرزا محمد یوسف خاں مشہدی کے پاس رہے، اگر کچھ
دنوں کے بعد وہ شاہزادہ سلطان دانیال[3] سے وابستہ ہو گئے، اور ان کے انتقال کے بعد
مرزا عبد الرحیم خانخاناں[4] کے پاس رہنے لگے، خانخاناں نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی،
یہاں تک کہ ایک مرتبہ جائزہ میں ان کو دس ہزار یا ایک ہزار نقد، خلعت،
ہاتھی اور عراقی گھوڑا عنایت کیے، ملا رستمی اس انعام کے متعلق کہتے ہیں :۔

زنعمت تو بہ نوعی رسید آں مایہ — کہ یافت میر معزی ز دولت سنجر
زگلبن املش صد چمن گل امید — شگفت تا کہ بمدح تو شد زباں آور

---

[1] ہفت اقلیم، ج ۲ ص ۳۰۶ [2] ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء - ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء [3] ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء - ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۵ء [4] ۹۶۴ھ / ۱۵۵۶ء - ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۶ء

...ان کو سونے سے بھی تولا گیا،

...طالع بد کی شکایت بھی کی ہے :-

...نشد ہر چند | بشمع سوزد و بر پروانہ بال و پر دادیم

...یں رہ کر ایران خاص کر خراسان برابر یاد آتا رہا ہے :-

...ران کہ می برد | از ہند تخم گل بخراسان کہ می برد

...ویرانی کا رونا روتے ہیں :-

...سمان نوعی | بطاق کسری و ویرانۂ دکن گریم

...ہندوؤں اور برہمنوں سے بیحد متاثر تھے :-

...نہ کہ معشوق | انوار حقیقت بدل برہمنان ریخت

...میں برہان پور میں انتقال کیا، صاحب نشتر عشق نے ان کی

...اگر اندر زگوئی بی مدارا یا بہ بہشتی گراید[۱]" (ص ۸۱)

...ن کہتے ہیں :-

...ت و جوانی، نخل حدیقۂ لطافت و نکتہ دانی، سوار میدان رفیع و

...لع الزمان مولانا محمد صفائی نوعی خبوشانی، الحق جوانی بود

...و علو ہمت و صفائی ذہن خاطر و نہایت دقت خیال، اشعار او اکثر از

...از نغمات قانون عشق لبند آوازہ تر، باقسام سخن توانا و انواع حقا

...م دینی در غایت .... داشت۔" (ص ۸۰)

امین احمد رازی کہتے ہیں :-

"مولانا نوعی بلطف طبع و حدت فہم اتصاف داشتہ۔ ہموارہ چہرۂ معانی را بجلگونۂ عبارات

تازہ سرخروئی میداد، اشعار دلاویز بمنصۂ ظہور میرسانید۔" (ہفت اقلیم ج ۳ ص ۳۰۱)

مولف ریاض الشعراء لکھتے ہیں :-

"از شعرای زمان و سخنوران جوان است۔" (ق ۔ ن)

صاحب مخزن الغرائب لکھتے ہیں :-

"اشعارش خوش قماش و نازک واقع شدہ، خالی از لطافت و شیرینی نیست۔" (ص ۵۰۹)

صاحب شمع انجمن لکھتے :

"عندلیب خوش آواز و گلفروش گلشن راز است، نواہای نوع بنوع بگوش یاران می رساند

و گلہای رنگارنگ بدامن خریداران می افشاند۔" (ص ۴۵۲)

مؤلف نشتر عشق لکھتے ہیں :-

"مرد فاضل و مذاق بودہ در علوم و خوش طبعی شہرۂ آفاق، نوع بنوع جواہر......

از کان طبع خود بکنار مشتاقان سخن می افشاند و گلہای رنگ برنگ در جیب و دامان

..... می رساند۔" (د ۵۸۴)

مؤلف سرو آزاد لکھتے ہیں :

"نوع کلامش جنس عالی است و در رشتۂ اقلامش لآلی۔" (ص ۲۲)

نتائج الافکار میں لکھا ہے :-

"آشنای محیط نکتہ دانی ملا نوعی خبوشانی کہ گنجینۂ انواع فنون بودہ و خزینۂ کلام

فصاحت مشحون۔" (ص ۱۴ - ۱۳)

ہے کہ

کلامش عجیب است ۔" (ص ۲۲۶)

ں نہ تھے، اس لیے کہ وہ لکھتے ہیں :

جی محمد خبوشانی کی اولاد سے بتاتے ہیں مگر انکے طرز زندگی سے

(ج ۳ ص ۴۸۵)

ں نے انتخاب کیا ہے :۔

ب امید برآید　　　بکشاد من شیشہ کہ خورشید برآید

صرع پر مصرع لگایا ہے

ش سبز باد　　　سایۂ ابر بہاری کشت را سیراب کرد

ے گل و بلبل کے مضامین کو زیادہ سے زیادہ رواج دیا ہے :۔

ں دادم　　　ہند را غیرت شیراز و خراسان کردم

ں کا پیرو بتاتے ہیں :۔

فت　　　نوعی مرید حافظ معجز کلام شد

ں نے لفظ "شرط" کا استعمال کیا ہے ۔

ت بد　　　کز باد شرط کشتی ما بر قضا رود

نے دیوان نوعی میں دو ہزار شعر بتائے ہیں، دیوان نوعی کا

میوزیم میں ہے،[۳] جو اس شعر سے شروع ہوتا ہے :۔

ان ما　　　نقطۂ نام تو با داخطبۂ دیوان ما

ل ۱۳۸۸-۸۹ء [۳] نمبر ۴۴۲۹ ۳

ان کی غزلوں سے کچھ اچھے اشعار نمونۃً نقل کیے جاتے ہیں،

برغم محتسب آں کیست کز میخانہ می آید　　　سبو بر دوش و سر بر کف جوانمردانہ می آید

غم رہبر مخور ای گم شدہ کاندر رہ عشق　　　ہر سر خار سراغ کف پائی دارد

صد خمکدہ خوناب جگر در قدحم ریخت　　　ایں حوصلہ دشمن زکجا ساقی ما شد

تو ہمی ورق نگاری ہمہ من جگر خراشم　　　ز شمار عمر بیش غم بے شمار گویم

بی دیدہ ز نظارۂ دیدار بر قصم　　　بی بادہ ز کیفیت دیدار بر قصم

یہ غزل کتنی مرصع اور رواں ہے :۔

آمد شبی بہ بالیں سرمست و لاابالی　　　دست از نگار پر گل چشم از خمار خالی

از موکشودہ عنبر وز خوا فشاندہ گوہر　　　چوں باد نوبہاری چوں ابر برشگالی

من مست و محو و بیخود کز شاخ سرو مرغی　　　نا گہ لحن داؤد ایں بیت خواند خالی

خوش دولتیست یاد آں شامے سحر نمودن　　　با شیشہ ہای پر می در خانہ ہای خالی

مگر عام طور سے نوعی کی غزلیں متوسط درجہ کی ہیں، اور انکے یہاں اور دو اور دور از کار

حالات پائے جاتے ہیں، جیسا کہ ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگا،

با دم صریم دصفا مشکف سینۂ ما　　　کحل یعقوب غبار در گنجینۂ ما

موج ز دریای دل بر بادبان شد بالکی　　　دست تظلم ناخدا در پای لنگر می زند

صبحم رہ دل بر در مصر چمن افتاد　　　ہر خار چو گل یوسف بازار نظر بود

بعض جگہ تو بالکل نثر کا انداز ہو جاتا ہے، اور روح شعر بالکل غائب ہو جاتی ہے۔

قمرایں بچہ زیاد نگہ غوا صان آمد　　　من چو خس جرعہ کش شبنم ساحل باشم

بہ نیم گل شکستم در توبہ ہای مستی　　　فقہای جاز مذہب ہمہ را صلای مستی

...ور والے نسخہ کے آخر میں رباعیاں بھی تھیں جو ضائع ہوگئیں اور
...ہی۔

...ایک نسخہ رضا لائبریری، رامپور میں ہے[۵] جس میں بارہ قصیدے
...شہنشاہ اکبر، شاہزادہ دانیال کی مدح میں کہے گئے ہیں، اکبر کی

...ہر آفتاب	شوقت شراب معرفت و ساغر آفتاب
...ند آفتاب	فرق ستارہ سال ترا افسر آفتاب
...صبوح شوق	ہمخواب حسن یوسف و ہم بستر آفتاب
...اکبر است	بر شاخسار گلبن نہ منبر آفتاب

...مدح میں کہتے ہیں:۔

...ر در او	چون سایۂ بی نشان فتادم
...ہ شستم	در کوثر عاشقان فتادم
...جدہ در سر	در پای خدایگان فتادم
...مش	چون شبنم اختران فتادم
...ایش	چون نالۂ بلبلان فتادم
...نشستم	در مشہد کشتگان فتادم

...موعہ میں کوئی قصیدہ خانخاناں کی مدح میں نہیں ملتا، ان کے
...ج الدین آرزو کہتے ہیں: "قصیدہ در منقبت گفتہ کہ شوخ و رنگین افتادہ"

...ن کے کل اشعار کی تعداد ۵۳۷ ہے۔

چون فقیر آرزو را بسیار خوش آمدہ می نویسد"[۱]

قصائد کے بعد پانچ ترکیب بند اور ترجیع بند ہیں[۲]، ایک ترجیع بند میں ہر بند کے بعد یہ شعر دہرایا گیا ہے۔

بنشینم و در کشم نفس را	بی نغمہ گذارم این قفس را

ترکیب بندوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حکیم ہمام[۳] اور شاہزادہ پرویز[۴] کی مدح کی گئی ہے، ایک ترکیب بند میں شاہزادہ دانیال کا مرثیہ ہے جو بہت پر درد ہے،

زین رستخیز فتنہ کہ در ملک جان فتاد	سیماب وار زلزلہ بر آسمان فتاد
دو دیکہ در ستارہ نہان بود سالہا	برقی شدہ بخرمن آخر زمان فتاد
تنہا شکست در شد ہمہ تنجانہ ها خراب	زین ترکتاز غم کہ بہند وستان فتاد
از آہ سرد کوکب ہفت آسمان بریخت	مانند برگ گل کہ زباد خزان فتاد
ہر گلبنی کہ داشت گلی بر زمین فگند	ہر جا کہ بود بلبلی از آشیان فتاد
طاق نگار خانۂ کسری شکست یافت	بر خاک پرچم علم کاویان فتاد
گیسو بریدہ زہرہ و بر سر شکست چنگ	تا این نوا بمحفل روحانیان فتاد
خلوت گزین عالم روحانیان چہ شد	مسند نشین سایۂ پرودگار کو
آن باغبان سرو سلیمان گل چہ شد	وان باد صبح یوسف مصر بہار کو
آن نو رسیدہ سرو چمن زیب من کجاست	وان نو شگفتہ غنچۂ نادیدہ خار کو

مغل بیلو گرانی کے مؤلفین نے لکھا ہے کہ نوعی نے ملک قمی کا بھی مرثیہ کہا تھا، مگر پھر خود ہی یہ لکھکر کہ "ملک قمی کی وفات عام طور سے ۱۰۲۴ھ / ۱۶-۱۶۱۵ء میں بتائی جاتی ہے" اس چیز کو مشکوک

[۱] مجمع النفائس، ورق ۳۸۳ [۲] ترکیب بند اور ترجیع بند کے تمام اشعار کی تعداد ۴۶۴ ہے [۳] متوفی بسال ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء [۴] ۹۹۷ھ / ۱۵۸۹ء - ۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۶ء

ں ہے اور ابتک مجھے ملک قمی کی موت پر نوعی کا کوئی مرثیہ نہیں ملا۔

ں بھی ہیں جن میں سے ایک ساقی نامہ[۱] ہے جو خانخانان کی مدح

شروع ہوتا ہے :-

نا نہ ہا　　　بیا د تو مشبگیر پیما نہ ہا

ں کو تذکرہ نویسوں نے خاص طور سے پسند اور انتخاب کیا ہے :

ان نبیذ　　　کہ دور خرابان بپایان رسید

شتہ را　　　چو شاہ نجف روز شب گشتہ را

زہ میں نوعی کو وہ گرانبہا عطیہ ملا تھا جس کا ذکر تذکرہ نویسوں نے

ین آرزو اس مثنوی کے متعلق لکھتے ہیں : "ساقی نامہ مختصری دارد

را فزۂ خاص است"[۲]، دوسری دونوں مثنویاں ان ابیات

نوروز　　　چو عہد بلبل از دنبال نوروز

تمندر　　　کہ تو محبوب آبی من ز آذر

ب سے زیادہ اہم مثنوی سوز و گداز ہے[۳]، جس کے متعلق مؤلف

ی سوز و گداز بسیار بسوز و گداز گفتہ"[۴]۔ اور اسکا یہ شعر انتخاب کیا ہے

ر کرد　　　کہ از بدمستیش آتش ہم حذر کرد

ہ گفتہ"[۵]: یہ مثنوی اس بیت سے شروع ہوتی ہے ،

ی دہ　　　سر شکم را جبگر پرکالگی دہ

[۱] ی نامہ کا ایک اور نسخہ بھی رضا لائبریری میں ہے (نمبر ۱۳۲۴۴) [۲] مجمع النفائس ۴۸۳

[۴] ص ۱۴ [۵] مجمع النفائس، و ۴۸۳

مثنوی سوز و گداز میں شاعر نے بتایا ہے کہ شہنشاہ اکبر نے اسکو مخصوص آدمی بھیجکر بلوایا :-

درآمد از درم ہد ہد سرشتی　　　چہ ہد ہد بلکہ طاؤس بہشتی

تو خدمت ناصبوری شاہ مشتاق　　　بایں نسبت رسد یاری بر آفاق

ہنوز آں مژدہ آور در سخن بود　　　کہ شوقم بر در شہ بوسہ زن بود

قضا فرمان شہنشاہ جواں بخت　　　فلک خرگاہ ماہ آسماں تخت

چو دید افتادہ من قدرا برافراشت　　　بدست خود سرم از سجدہ داشت

نسیم خندہ بر خاموشیم زد　　　گلاب مژدہ بر بیہوشیم زد

اس کے بعد کہتے ہیں کہ گل بلبل، شمع و پروانہ، فرہاد و شیریں، لیلی و مجنوں جیسے پرانے قصوں سے طبیعت گھبرا گئی ہے۔

بگفت ای برہمن زاد محبت　　　کہن شاگرد استاد محبت

نواہای کہن خاطر تراشید　　　بصد ناخن جگر را در تراشید

حدیث بلبل و پروانہ تاچند　　　ہوس در خواب ایں فسانہ تاچند

کہن افسانہ با نشنیدہ اولیٰ　　　سخن از ہرچہ گوئی دیدہ اولیٰ

نوای تازۂ برکش ز منقار　　　کہ گل در گل گذار و خار در خار

کہن شد قصۂ فرہاد و شیریں　　　چو عیسی رفتہ در تقویم پاریں

بجز نامی ز لیلیٰ در جہاں نیست　　　بجز حرفی ز مجنوں درمیاں نیست

اس لیے ہم کو نئے اور تازہ افسانوں سے آشنا ہونا چاہیے اور ہندوستانی احول میں رہ کر نئی نئی داستانوں کو تلاش کرنا چاہیے، اور یہ دیکھنا چاہیے کہ کس طرح یہاں کے جانباز محبوب اپنے کو نذر آتش کر دیتے ہیں :-

بگذر — برآئین بت و بت خانہ بنگر
پرستی — گل افشاں خس وخاشاک مستی
س زد — کباب شعلۂ آتش زن ومرد
تا بند — بہم در بستر آتش بخوابند

ستان نظم کرنے کی فرمایش کرتے ہیں :-

ش — کہ تاریخ کہن گردد فراموش

ایتی شاعری کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں مگر نوعی کو صدیوں

ہند وعاشق ومعشوق ایک دوسرے پر فریفتہ تھے،

رشتہ — بشر خلقت ولی قدسی سرشتہ

ں میں گذر گئے :-

وں شد — توانائی طاقت از ہر سو نگوں شد

ر وہ اس کی شادی کردے، باپ نے لڑکی والوں کو پیغام

ب :

زید — جہاں خرم بہار بادہ سازید

ں سے پھولے نہیں سماتے تھے :

فت — زشادی خندہ برلب جانی یافت

ی تیاریاں ہوتی رہیں ۔

پس از یک ہفتہ ترتیب عروسی — زمیں داد آسماں را خاک بوسی

اس کے بعد دولھا کی بارات بڑے دھوم دھام سے روانہ ہوئی :

قدم در آرزوی سود و می رفت — نگاہش بر قفای بود و می رفت

لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ تھوڑی ہی دیر میں یہ خوشی غم میں تبدیل ہو جائے گی،

دو دل دور از طرب بیگانہ می رفت — تو میگفتی بہ ماتم خانہ می رفت

بارات چلی جارہی تھی کہ اچانک ایک کہنہ مکان گر پڑا اور دولھا دب کر مر گیا، اس حادثہ سے ایک کہرام بپا ہو گیا،

خروش از چرخ نیلی پوش برخاست — ز ہر دل صد قیامت جوش برخاست

دلہن کو اس حادثہ کی خبر ملی تو فوراً ستی ہونے کے لیے تیار ہو گئی :

چرا تا زندہ ام شرمندہ باشم — کہ سوزد دلبر و من زندہ باشم

شہنشاہ اکبر کو خبر ملی تو وہ رونے لگا :

چو شاہ ایں ماجرا بشنید بگریست — کہ عشقا ایں ہمہ کافردلی چیست

اور غم زدہ لڑکی کو بلا کر امتحان کے لیے اپنے تخت پر جگہ دی، اس کو اپنی فرزندی میں لیکر رانی کا خطاب دیا اور دنیا کی ہر ممکن نعمت اس کے لیے فراہم کر دی کہ وہ اس ارادہ سے باز آجائے :

شکوہش با ترحم آشنا شد — بحکم امتحاں فرماں رواں شد
شہ از لطفش بپائی تخت بنشاند — جواہر ہائی لب بر فرش افشاند
بفرزندی خود داد اختصاصش — بعصمت گاہ خلوت کرد خاصش
بہر کشور خطاب رانیش داد — بملک ہند فرمان رانیش داد

…ا ہی	کرامت کرد غیر از پادشاہی

…اپنے مستحکم ارادہ سے باز نہ آئی۔

…فت	بغیر سوختن چیزی نمی گفت
…دی	بافسوں روز عیشم شام کردی
…ل کن	مرا آمرز و آتش را خجل کن

…شاہزادہ دانیال کو حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ جائے

…رائے:

…ول	زشادی برپرید آں مرغ بسمل
…ت	کہ ای چشم و چراغ افسر و تخت
…تش	در انگن آتشی در جان آتش
…زاں	برسم دخت را یا نش بسوزاں

…س غمزدہ کے ساتھ روانہ ہوا، شہنشاہ اکبر بھی مڑ مڑ کر

…بال	مراد انس و جاں شہزادہ دنیال
…شا	رواں شد ہمرہ آں ناشکیبا
…ارہ	متاع جاں بتاراج نظارہ
…امی	بہر گامی رواں کردیش کامی

…اس کو بوسہ دیا، بغلگیر ہوئی اور اسکے ساتھ جل کر خاکستر ہو گئی

…س	لبش بوسیدہ و رو بر رونہادش

کشیدش تنگ تر از جاں در آغوش	چو جاناں یافت کرد از جاں فراموش

اس دردناک منظر کو دیکھکر شہزادہ روتے روتے بیہوش ہو گیا اور شہنشاہ اکبر کی آواز سنکر ہوش میں آیا اور اس سے اس دردناک منظر کو رو کر رو کر بیان کیا

چو نقش حال او شہزادہ بر خواند	گلاب از گلبن مژگاں بر افشاند
ہوس خلد محبت باد بر تو	خود آتش ابر رحمت باد بر تو
ہمیں کا واز شہ آمد بگوشش	باستقبال آں برخاست ہوشش
ہوس از عشق من شرمندہ بہتر	برگ من محبت زندہ بہتر
لبش بادشاہ در گفت و شنو بود	دلی ہر ذرہ اش آتش در دو بود

سرو آزاد مغل بیلوگرانی کے مولفین کا بیان ہے کہ نوعی نے یہ مثنوی شہزادہ دانیال کی فرمایش پر لکھی تھی، جو صحیح نہیں ہے، کیونکہ مثنوی کے شروع میں خود شاعر نے شہنشاہ اکبر کا ذکر کیا ہے، جس کی فرمایش پر اس نے یہ داستان نظم کی تھی، مغل بیلوگرانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مثنوی ۱۵۰۶ء میں نظم کی گئی، جو قطعاً غلط ہے، اسلیے یہ واقعہ اکبر کی زندگی کا ہے۔ اور ۱۶۰۵ء میں اکبر نے انتقال کیا ہے۔

مثنوی سوز و گداز ۱۲۸۴ھ / ۱۹۶۷-۶۸ء میں لکھنؤ میں اکبر نامہ کے ساتھ شائع ہوئی تھی، اور ایران کے مرزا۔ ص۔ داؤد اور لنکا کے انند۔ک۔ کومارسوامی (Anand K. Coamaraswamy) نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا، جو ۱۹۱۲ء میں لندن سے شائع ہوا، اس انگریزی ترجمہ میں برٹش میوزیم کے قلمی مصور نسخہ[1] سے تین دستی تصویریں بھی شامل کی گئی ہیں۔

[1] نمبر ۲۸۳۹ ۵۴

ماخذ

ماٰثر الکرام موسوم بسرو آزاد مطبع دخانی رفاہ عام لاہور ۱۹۱۳ء
کلمات الشعراء، دین محمدی پریس، لاہور۔
نتائج الافکار، چاپخانہ سلطانی، بمبئی
خزانۂ عامرہ، مطبع نولکشور، کانپور
شمع انجمن، رئیس المطابع شاہجہانی
مجمع النفائس، نسخہ خطی شمارہ ۶۹۶، خدا بخش لائبریری، بانکی پور، پٹنہ
عرفات عاشقین، نسخہ خطی شمارہ ۶۸۶ " " "
مخزن الغرائب، نسخہ خطی شمارہ ۲۴۰ " " "
ید بیضا، نسخہ خطی شمارہ ۲۲۴ " " "
ہفت اقلیم، کتاب فروشی علی اکبر علمی و کتاب فروشی ادبیہ۔
ریاض الشعراء، نسخہ خطی شمارہ ۳۰، ۴۹ ۵ نیشنل میوزیم نئی دہلی
آئین اکبری، نولکشور
نشتر عشق، نسخہ خطی ۲۱۲ نیشنل آرکائیوز، نئی دہلی،

14- T.W. Beale : Oriental Bibliogra
15. Vicaji D.B. Taraporevala and D.
Bi
16. Abdul-Fazalami: Ain-i-
into English by H. Bl

17. Herman Ethe: catalgue of Persian Manuscripts in the library of India office Oxford, 1903
18. Mulla Abdul Qadir Badaoni: Muntakhabut-Tawarikh, vol III Translated by Wolsley Haig. Calcutta, 1925.

سیاست میں اسلام

ہ محمد آفاق صاحب صدیقی ایم اے

لم ورلڈ نے "سیاست میں اسلام" کے عنوان سے ایک سمپوزیم
ت ماہرین سے مضمون لکھوائے تھے، ان مضامین کو اس نے
دیا ہے، ان میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلامی ملکوں اور جن
لحاظ آبادی ہے۔ ان میں ان کے سیاسی و مذہبی رجحانات
مت کا رویہ کیا ہے، مضمون نگار قریب قریب کل امریکن
خیالات اسلامی نقطۂ نظر سے قابل قبول نہیں ہیں، لیکن
ں کے مسلمانوں کے مذہبی و سیاسی رجحانات پر روشنی پڑتی
یا جاتا ہے۔ م

ترکی

کی میں احیائے دین کا نعرہ بے معنی ہو کر رہ گیا ہے، کیونکہ
رہے، آج کل عام طور پر جمعہ کی نماز میں مسجدوں میں
ج کی لمبی قطاریں انقرہ کے پاسپورٹ کے دفتر میں دیکھی
طور پر کبھی نابود نہیں ہوا، عصمت انونو نے جب حزب مخالف
یصلہ کیا، اس وقت ترکی کے سیاست دانوں کو کاشتکاروں کے

ووٹ کی اہمیت کا احساس ہوا، اس فیصلہ کے جو نتیجے نکلے ان کا اندازہ ٹائمز (لندن) کے نمایندہ مقیم انقرہ کے مضمون مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۶۶ء سے کیا جاسکتا ہے وہ لکھتا ہے

"ترکی کی تمام سیاسی جماعتوں کے لیے مذہب ووٹ حاصل کرنے کا ایک پوشیدہ آلہ ہے، جسے بآسانی استعمال کیا جاسکتا ہے، الکشن کے زمانہ میں لفظ "اللہ" کے ریاکارانہ استعمال اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی سے ہزاروں ووٹ حاصل کیے جاسکتے ہیں، اس گناہ میں عام طور سے جسٹس پارٹی اپنی پیش رو جماعت یعنی ڈیموکریٹک پارٹی کی طرح ملوث خیال کیجاتی ہے۔"

ڈیموکریٹک پارٹی نے اپنے دورِ حکومت میں پندرہ سو مسجدیں ہر سال تعمیر کیں، ۶۰-۱۹۵۰ء میں اس اوسط سے پندرہ ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

جسٹس پارٹی کے برسر اقتدار آنے سے قبل بھی یہ اوسط قائم رہا، ۶۴-۱۹۶۰ء میں چھ ہزار مسجدیں تعمیر کی گئیں،

مصطفےٰ کمال کی وفات کے بعد سے ہر حکومت نے مذہبی جذبات کو سیاسی اور ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کیا، یہانتک کہ فوجی مجلس مشاورت نے بھی جس نے ڈیموکریٹک پارٹی کو اقتدار سے محروم کیا تھا، ۳ لاکھ ترکی لیرا قونیہ کے دو مذہبی تربیتی مدرسوں کو دیے، یہ رقم اس فلم اور تصویروں کی نمائش سے حاصل کی گئی تھی، جو گذشتہ حکومت کے ارکین کے عدالتی مقدمے کے دوران میں لی گئی تھیں، لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ مذہبی جذبات و تصورات کا واحد مصرف ووٹ حاصل کرنا تھا، ۱۹۴۸ء میں ریپبلکن پارٹی نے مسجدوں کے اماموں اور خطیبوں کے لیے ایک تربیتی نصاب مرتب کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا، اس کا مقصد انتخابی حلقوں کے مذہبی جذبات سے سیاسی فائدہ حاصل کرنا تھا، مگر مخالف جماعتوں نے تعصب کی بنا پر یہی سمجھانے کی کوشش کی

ہمیشہ کے لیے ختم کیا گیا تو تمام دینی مدارس کو وزارتِ تعلیم کے
دکر دیا اور مستقبل کے اماموں اور خطیبوں کے لیے نئے مدرسے
شعبۂ دینیات قائم کیا گیا، لیکن اتاترک کا یہ فیصلہ تھا کہ مذہب
چاہیے، اس کے علاوہ مذہب اعلیٰ طبقوں میں معتوب ہوچکا
ر ویدہ تھی، اس لیے شعبۂ دینیات مقبول نہ ہوسکا، ۱۹۳۳ء
ن
ہوگئی، اور ۱۹۴۰ء تک دین کی رہنمائی جاہلوں اور نیم ملاؤ
خطرناک صورت حال کو نظر انداز نہیں کرسکتی تھی، اس لیے
س نے جنگ عظیم کے بعد بڑی نمایاں حیثیت اختیار کرلی،
کی مخالفت شروع کردی اور اراکین نے اتاترک کے
، توڑ پھوڑ کر عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔
کے عروج کے ساتھ ہی ساتھ اس جماعت کا زوال شروع
رسی تھا، جو سعیدی کردی اور بدیع الزماں کے نام سے
لے ۳۱ مارچ ۱۹۰۹ء کے واقعہ کے سلسلہ میں لیڈر
مل ہوا، یہ واقعہ ترکی کے گذشتہ انقلاب کے اثرات
ھی، یہ تحریک مغربی تہذیب کی دشمن اور ریپبلکن تحریک
س کے ساتھیوں اور معتقدوں نے اس کی زندگی ہی
رقرار دیا تھا، اور آج بھی اس کی تصنیفات کے مجموعہ
ہے، قرآن مجید کے برابر درجہ دیا جاتا ہے، سعیدی نورسی نے

۱۹۶۰ء میں ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

یہ بات قطعی ہے کہ ایک صحت مند اسلامی سوسائٹی میں اس طرح کی تحریکات کا ابھرنا اور مقبول ہونا ناممکن ہے۔ ۱۹۶۲ء میں وزارتِ داخلہ نے اماموں اور خطیبوں کی تعلیمی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں جو اعداد و شمار پیش کیے تھے، ان سے پتہ چلتا ہے کہ ساٹھ ہزار میں سے کل ۱۰۱۵ مذہبی پیشوا وٗں کو صرف ابتدائی تعلیم حاصل تھی، اب بھی ترکی کے علماء بھی تعلیمی پستی کے ثبوت فراہم کرنا زیادہ دشوار نہیں، مثلاً علماء کا یہ خیال کہ لاطینی حروف عربی حروف کی آوازوں سے محروم ہیں، اس لیے قرآن مجید کا ترجمہ ترکی زبان میں ناممکن ہے، حالانکہ ترجمہ سے حروف کی آواز کا کوئی تعلق نہیں، اب کوئی بھی آدمی حنفی اصول کے مطابق قرأت کرنے کا تصور بھی نہیں کرتا، آجکل جو ترجمہ رائج ہے اس پر شدید تنقیدیں جاری ہیں اور ترجمہ کی خامیوں کے سلسلہ میں جو مباحث اور دلائل پیش کیے جا رہے ہیں، ان کی بنیاد اس غلط تصور پر ہے کہ اس سے قبل ترکی زبان میں قرآن کا کوئی ترجمہ ہوا ہی نہیں، اس کا ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے، جو خود مصنف کے ساتھ استنبول یونیورسٹی میں ایک لکچر کے سلسلہ میں پیش آیا، لکچر کے بعد ایک طالبعلم نے برہم ہوکر سوال کیا "کیا آپ نے اپنے لکچر میں یہ نہیں کہا کہ ہم لوگ حنفی ہیں؟" مجھے حیرت ہوئی کہ میں نے ایسا کونسا جرم کیا ہے، میں نے تسلیم کیا کہ میں نے کہا تھا، اس طالب علم نے پھر پوچھا "جناب! آخر اس کا مطلب کیا ہے؟"

عقائد سے متعلق اس طرح کی باتیں تعجب انگیز نہیں ہیں، کیونکہ ترک ایک مدت سے معقول دینی تعلیم سے محروم رہے ہیں، ترکی کے موجودہ اسلام کا ذکر اگر ایک لفظ میں کیا جائے تو ہم اسے "جنونی" کے بجائے "سیدھا سادہ" کہیں گے، ایک بار رمضان ۱۹۶۵ء

اپنے ہمسایہ گاؤں میں ایک آراضی کے سلسلہ میں
پولیس کی بروقت مداخلت سے ان کو واپس لوٹنا پڑا،
ہوئی، گاؤں میں چاروں طرف پانی ہی پانی ہو گیا،
کا سامنا بھی تھا، اب آسمانی مصیبت بھی آگئی، اس نے
ابنا روزہ توڑ دیا، اس کی تقلید میں گاؤں کے دوسرے
ال ہی میں ایک سادہ لوح مدرس پر لوگوں نے اس لیے
کے لوگ تعلیم سے زیادہ مذہب کا خیال کرتے ہیں،
خبریں شائع کرتے ہیں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں، مثلاً
دندان سازی معصیت ہے، یا ایک موذن کو اس لئے
ئے ترکی زبان میں اذان دی تھی، ایک شخص نے
یے ترجیح دی کہ وہ رمضان المبارک میں بیمار تھا۔
خنیقل) ۲۳ اپریل ۱۹۶۳ء کے روزنامہ "ملیت"
یک مضمون میں اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ زائرین کعبہ
دہ زرمبادلہ سے کہیں زیادہ تھا، انھوں نے یہ بھی بتایا
رقم سے پندرہ ہزار گاؤں میں سے جہاں کوئی مدرسہ نہیں
ے، مگر یہ حیرت انگیز ہے کہ ایسی رائے ظاہر کرنے کے لیے
ں دوبارہ کامیابی حاصل ہوئی،
ں مسترد کلیسا کی جیسی نہیں ہے جیسے سرکاری تعلقات ہے۔
ن اور اماموں کا تقرر دینی امور کی مجلس ملی ہی کرتی

اور ان لوگوں کو قومی بجٹ سے تنخواہیں دی جاتی ہیں، لیکن یہ معاملہ صرف سنی مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، گو قانون کی نظر میں تمام مذاہب برابر ہیں، لیکن جارج آرول کے قول کے مطابق "سنی اسلام دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ برابر ہے"۔ دستور میں ہر فرقہ کو تقریر اور عبادت کی پوری آزادی حاصل ہے، بلکہ اپنے مذہب کی تبلیغ کی بھی اجازت ہے، لیکن عملاً یہ آزادی صرف سنیوں ہی کے حق میں پائی جاتی ہے۔ عیسائی مذہب کی تبلیغ کے سلسلہ میں اکثر گرفتاری کی خبریں اخبارات میں دیکھی جاتی ہیں، اس طرح یہ بھی واضح رہے کہ کوئی غیر مسلم فرقہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا، ارباب حکومت اپنے کو لاکھوں دہقانی مسلمانوں کے مذہبی احساسات اور جذبات کا محافظ سمجھتے ہیں، لیکن وہ بھی لاکھوں غیر سنی مسلمانوں کے صحیح مذہبی تحفظ میں ناکام رہے ہیں، حکومت کے خزانہ کی رقم کا کوئی حصہ بھی شیعی آبادی کی مذہبی ضروریات پر صرف نہیں ہوتا، حالانکہ ان کی تعداد ایک کروڑ ۲۰ لاکھ بتائی جاتی ہے، گو یہ تعداد انتہائی مبالغہ آمیز ہے، لیکن سرکاری اعداد و شمار کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کو جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا۔

ترکی کی موجودہ تاریخ کو جدید ترکی کے بانی کے نظریات اور عوام کی خواہشات کے درمیان صلح کی جد و جہد کہا جا سکتا ہے، ڈیموکریٹک پارٹی نے جو کچھ کیا وہ سرگرم کمالیوں کی نظر میں ناقابلِ معافی جرم تھا، مثلاً مسجدوں کی تعمیر، ریڈیو پر قرأت قرآن، کثرتِ ازواج کی در پردہ اجازت، صوم و صلوٰۃ کا احترام وغیرہ، یہی نہیں بلکہ مغرب کے عطا کردہ تعیش کے سامانوں کی فراہمی کے ساتھ ہی ساتھ عوام کے اندر یہ احساس پیدا کر دیا گیا کہ ان پر مغربی تہذیب کی تقلید کیلئے کوئی جبر نہیں ہے، کاشتکار یہ محسوس کرنے لگا کہ وہ اپنے ملک کا باوقار شہری ہے،

کا محتاج نہیں ہے ۔
۱۹۵۰ء تک ڈیموکریٹک پارٹی کی انتخابی کامیابی اور اس کے
ہم صرف عوام کے مذہبی احساسات وجذبات کی تسکین پر ہی
کی ایک معقول وجہ تو یہ تھی کہ سیکولر حکومت میں عوام وفادار
مسلمان بھی رہ سکتے تھے لیکن جسٹس پارٹی کی کامیابی کی وجہ
بلکن پارٹی پر یہ الزام عائد کیا تھا کہ وہ کمیونسٹ نواز ہے،
م کے لیے راہ ہموار کرے گا، ترکی میں کمیونسٹ لفظ "کافر"
حالانکہ چند ہی لوگوں کو کمیونزم کا صحیح مفہوم معلوم ہوگا،
یہ تحریک مذہب کی دشمن ہے اور اس نے روس میں
رکی کی مالی امداد اور دوستانہ گفت وشنید کے باوجود
ترکی کا دشمن ہے، اس دشمنی کی وجہ نظریۂ حیات کا اختلاف
لات ہیں، جو سیاسی طور پر اہمیت رکھتے ہیں،
س پارٹی کی حمایت اس لیے کی کہ اس کے قیام سے ملک و
کچھ لوگوں نے صرف اس لیے بھی اس پارٹی کو ووٹ دیے
وں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ ریپبلکن پارٹی جو جسٹس پارٹی
ت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے نزدیک ترقی کرنے
ب میں ضم ہونا ناگزیر تھا، اور مذہب توہم پرستی کا دوسرا
عاجز آچکے تھے، کہ ان کی آبائی قدریں ناقابلِ عمل ہیں، اور
پنے ملک میں خوف وہراس، ذلت وحقارت کی زندگی

بسر کرنے کو تیار نہ تھے۔

اس لیے انھوں نے اس "اسلام" کے حق میں ووٹ دیے جو ان کے آباؤ اجداد کی زندگی کا نصب العین تھا، جسٹس پارٹی کی کامیابی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ عوام کو یہ یقین تھا کہ یہ پارٹی ان کو وہ سب کچھ فراہم کرسکے گی جس کا ڈیموکریٹک پارٹی نے وعدہ کیا تھا، انھیں یہ بھی امید تھی کہ یہ پارٹی انفرادی امن و آزادی کا تحفظ کرنے میں کامیاب ہوگی۔

(ڈاکٹر جیفری لیوس استاد ترکی آکسفورڈ یونیورسٹی)

ادبیات

غزل

...ب احمد صدیقی، ممبر پبلک سروس کمیشن

...ہ ہے — سو سہاروں کا اک سہارا ہے

...ہے اپنا — بارہا غیر کو پکارا ہے

...ری عمر — دور پھر بھی بہت کنارا ہے

... ورنہ — ایسا جینا کسے گوارا ہے

...ائی کیا — اب تو سب کچھ ہمیں گوارا ہے

...ں معلوم — زندگی کتنی بے سہارا ہے

...روں کا — جیسے اپنا کوئی اجارا ہے

...ہ دل — اپنی خوش فہمیوں کا مارا ہے

...ہ دنیا — بے سہاروں کا بھی سہارا ہے

...ں وقیام — تیز رو زندگی کا دھارا ہے

...اچھا ہے ان سے کہہ تو دیا

...ب نہ پایا جو آشکارا ہے

غزل

از جناب انقر موہانی

کہیں کیا پوچھنے والے کہ یہ غم کہہ نہیں سکتے
مزاجِ یار برہم ہے کیوں ہے برہم کہہ نہیں سکتے

ہر اک جلوہ میں اک پردہ، ہر اک پردہ میں اک جلوہ
جمالِ یار کے جلووں کا عالم کہہ نہیں سکتے

تری چارہ گری خود بنگئی ہے دردِ سر ناصح
یہ باتیں زہر ہیں ہم ان کو مرہم کہہ نہیں سکتے

کبھی اہلِ جنوں کا راز افشا ہو نہیں سکتا
خرد والے ہمارا قصۂ غم کہہ نہیں سکتے

سیہ بختی پر اپنی ہم کو کیا کیا ناز تھا لیکن
کسی کے گیسوئے شبگوں کا عالم کہہ نہیں سکتے

کہاں جلووں کی تابانی، کہاں اشکوں کی بارانی
تجھے اے چشم حیراں چشم پرنم کہہ نہیں سکتے

ستم کیا اُمنڈتے آرہے ہیں خود بخود آنسو
نوازش ہائے غم کو جو یہ پیہم کہہ نہیں سکتے

محبت کرنے والوں کی کوئی مجبوریاں دیکھے
ہم اپنی زیست کے ماتم کو ماتم کہہ نہیں سکتے

مدد کر یہ مدد کا وقت ہے اے دامنِ جاناں
دمِ آخر جو عالم ہے وہ عالم کہہ نہیں سکتے

عجب ہے داستانِ حسنِ جاناں بھی کہ اے انقر
زبانِ خلق کہتی ہے مگر ہم کہہ نہیں سکتے

غزل

از جناب محمد حنیف خاں صاحب رضا اعظمی

آندھیاں آتی ہیں اٹھ اٹھ کر اڑانے کیلئے
چند تنکے جو چنے تھے آشیانے کے لیے

کوششِ ضبطِ تبسم میں وہ لب لرزش میں
مضطرب ہوں جیسے کلیاں مسکرانے کیلئے

التفات — دیدۂ مشتاق کو حیراں بنانے کے لیے

ت
سرنصیب — ایک انکی یاد ہے اسکو بسانے کے لیے

بنکے اشک — یہ ابھرتے ہیں ستارے ڈوب جانے کے لیے

ل ہے حجاب — حسن خود بیتاب ہے جلوہ دکھانے کے لیے

ے تو ہو — خود نگاہِ شوق کیا کم ہے سنانے کے لیے

کو اس — وحشتِ دل لے چلی صحرا بسانے کے لیے

ں اس دور میں ہے لفظِ بے معنی سنیف

ستی درسِ عبرت ہے زمانے کے لیے

غزل

اب سید خورشید افسر بسوانی

لی ہے — ہمیں تو اکثر تری تجلی قیود سے بیخبر ملی ہے

زمانے — مجھے بھی دیکھا ہے تونے رتے کبھی مری آنکھ تر ملی ہے

ا سفر بھی — نہ شام ہی کا پتہ چلا ہے نہ صبح ہی کی خبر ملی ہے

ڈالی
راب ڈھا — حیات کیسی ہی بے وفا ہو مگر بڑی کارگر ملی ہے

م دیکھا — مگر یہی فصل لالہ و گل کبھی کبھی در بدر ملی ہے

ب کسکو — وہ ہے بڑا خوش نصیب جس کو یہ دولت معتبر ملی ہے

ر دیتا — تمام ارمان چونک اٹھے ہیں جو بہاتِ یک نظر ملی ہے

زخم ابھرا تو کہہ اٹھے لوگ چاند نکلا

تو لوگ سمجھے کہ فصلِ گل کی خبر ملی ہے

غزل

از جناب عظیم حیدر آبادی بی اے بی ایڈ نلگنڈہ

اپنی نواؤں میں اب لاؤں کہاں سے اثر — چھین لیا جہل نے میرا کمالِ ہنر

ان کی نوازش ہے یہ یا تب و تاب نظر — تیز ہوا ہے مرا سوز درونِ جگر

آئے تصور میں وہ آج بہ نوعِ دگر — سینہ میں رقصاں ہوئے طور کے برق و شرر

جب سے ہوا ہے مرا جوشِ جنوں تیز تر — حسن سے بھی ماورا ہو گیا ذوقِ نظر

اٹھ نہیں سکتے قدم ہٹ نہیں سکتی نظر — اب ہے ٹھکانہ مرا ان کی حسیں رہگذر

دہر میں جینے کا حق اس کو یقیناً نہیں — منزلِ مقصود سے اپنی جو ہے بے خبر

سینۂ صد چاک کو حاجتِ سوزن نہیں — اس میں ہیں بکھرے ہوئے عشق کے لعل و گہر

بربطِ ناہید کی کوئی ضرورت نہیں — تیری نواؤں میں ہے لذتِ سوزِ جگر

دور میں ہوتا ہے جب انکی نگاہوں کا جام — پھر نہیں رہتی مجھے شام و سحر کی خبر

جب کہ تصادم ہوا عقل و جنوں میں عظیم

خود بخود اٹھنے لگا پردۂ شام و سحر

بوعات جدیدہ

نا انصاری فرنگی محلی، تقطیع اوسط، ضخامت ۲۴۳ صفحات مجلد

فرنگی محل لکھنؤ۔ قیمت ۵ روپے ۵۰ پیسے۔

ے لکھے جا چکے ہیں اور ان میں حج اور سفرِ حج سے متعلق اتنے
ے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی تھی، لیکن مذکورۂ بالا سفر نامہ
الا ہو تو اس پرانی روش میں بھی نئے نئے گل بوٹے کھلا سکتا
علم و قلم کی دولت کے ساتھ چشم بینا اور دل بیدار بھی عطا
ا اور صاحب دل بھی، اس لیے یہ سفرنامہ، روداد سفرِ حج
مناسک حج کے مسائل، حرمین کے آثار و مشاہد کی تاریخ،
دلکش مجموعہ ہے، تحریر کی دلآویزی، پرکیف اشعار کے برمحل
کے حسن عقیدت و ادب شناسی، خصوصاً خانہ کعبہ کی حاضری
لف نے ایسی کیفیت اور تاثیر پیدا کر دی ہے کہ پڑھنے والا
ب ہے، ایسی تحریروں میں عموماً آورد زیادہ ہوتی ہے، لیکن
سراسر آمد ہے، جو ان کے سچے جذبات کا نتیجہ ہے۔
ب طہور میں ایک دو مقاموں پر سیاست کی کدورت
ہے۔

"م"

مجموعہ وصایا اربعہ۔ مرتبہ جناب محمد ایوب صاحب قادری، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، ضخامت ۹۲ صفحات، قیمت تین رُپے ۵۰ پیسے، پتہ: شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، پاکستان

اس مجموعہ میں شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے سلسلہ تعلق کے تین بزرگوں کے رسالے شامل ہیں، پہلا رسالہ خود شاہ صاحب کا مشہور وصیت نامہ "المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ" ہے، اس میں انھوں نے اپنی اولاد اور عزیزوں کو آٹھ نصیحتیں کی ہیں، دوسرا رسالہ "تصنیف رنگین" ان کے ایک نادر و نایاب فارسی رسالہ کا منظوم اردو ترجمہ ہے، جس کو ان کے عقیدت کیش اور مشہور شاعر سعادت یار خاں رنگین نے نظم کیا ہے، تیسرے میں شاہ صاحب کے مشہور شاگرد اور نامور عالم قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی اپنی اولاد اور دوستوں کو نصیحتیں ہیں، اور چوتھے میں انکے چھوٹے بھائی شاہ اہل اللہ کی کتاب چہار باب کی ۲۶ نصیحتیں شامل ہیں، آخری رسالہ کے علاوہ سب مطبوعہ اور متداول ہیں، لائق مرتب نے ان کے متن مختلف قلمی اور مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ و تصحیح کے بعد حواشی اور اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا ہے، شاہ صاحب کے وصیت نامہ کے بعض مبہم اور دقیق امور کی قاضی ثناء اللہ نے توضیحی تعلیق لکھی ہے، اس کا متن بھی مع ترجمہ درج ہے، کتاب کے مقدمہ میں شاہ صاحب کے دور کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حالات کی ابتری کا ذکر کرکے ان کے علمی و اصلاحی کارناموں کی اہمیت، تصانیف کی مکمل فہرست اور ان کی طرف منسوب بعض کتابوں کے الحاقی ہونے پر محققانہ بحث کی گئی ہے، ان سب رسالوں میں کتاب و سنت کے اتباع، اسلامی و دینی زندگی کو اختیار، اور مشرکانہ اعمال و رسوم اور بدعتوں سے پرہیز کرنے کی تلقین، اور دوسرے بیش قیمت مواعظ اور نصائح کا ذکر ہے، اس لیے ان کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے مفید اور ہم خرما و ہم ثواب ہے۔

مولانا محمد احسن نانوتوی۔ مترجمہ جناب محمد ایوب صاحب قادری، تقطیع خورد،

بہتر، صفحات ۲۸۰ قیمت للعہ پتہ: وو ڈیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی

ت آباد، کراچی نمبر ۹۔ ہندستان میں: مکتبہ تجلی دیوبند۔ (یو۔پی)

ی ایک جید و فاضل عالم اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہمعصر اور

صہ مختلف کالجوں کی ملازمت میں بسر ہوا، تصنیف و ترجمہ کا بھی

تابوں کی تالیف و ترجمہ کے علاوہ بریلی میں ایک مطبع صدیقی بھی

فید علمی و دینی خدمات کے علاوہ شاہ ولی اللہ صاحب کی متعدد

ے پہلی بار شائع کیے، فاضل مرتب نے اس کتاب میں نہایت تلاش

علمی و تصنیفی خدمات اور خاندانی حالات کا مفصل مرقع اور انکی

طبع صدیقی سے شائع ہونے والی تمام کتابوں کا تعارف کرایا ہے،

کے تین اہم بزرگوں مولانا مملوک العلی، مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم

ی عبد الاحد مالک مطبع مجتبائی کے حالات کسی قدر تفصیل سے اور حواشی

توسلین، اساتذہ اور احباب جن کے نام کتاب میں آئے ہیں مختصر تذکرے

سے یہ کتاب انیسویں صدی کے متعدد مشہور و غیر مشہور اشخاص کے

از معلومات ہے،

ج ۔ از چو چانگ و دن برگ چانی، مترجمین محمد سلیم خان ایم اے، گوپال متل

، تقطیع خورد کتابت، کاغذ، طباعت عمدہ صفحات ۳۰۰ قیمت عمر

فاری آرکیٹ، دریا گنج، دہلی ۶

نے چین پر کتابوں کی اشاعت کا جو مفید سلسلہ شروع کیا ہے، زیر نظر کتاب

ور ۲۰ ابواب پر مشتمل ہے، شروع کے ۱۵ ابواب میں چین کے جغرافی پس منظر

عوام، بنیادی تصورات، حکومت، قانون، معاشرت، خاندان، ثقافت، زبان، ادب اور آرٹ وغیرہ کے متعلق معلومات ہیں، اس کے بعد چار ابواب میں اصلاح و انقلاب، شاہی حکومت کے خاتمہ، مانچو خاندان کی شکست، قوم پرست پارٹی اور سن یات سین کے عروج، پھر ماؤزے تنگ اور کمیونسٹوں کے تسلط کے حالات ہیں، آخر میں دکھایا گیا ہے کہ گذشتہ چار پانچ ہزار سالوں سے کوئی تبدیلی نہ قبول کرنے والا چین اب اپنی قابل احترام روایات سے بھی دستبردار ہو رہا ہے، یہ کتاب چین کی جغرافی، نسلی، سیاسی، تہذیبی، مذہبی اور ادبی پہلو سے گذشتہ اور موجودہ چین کی ایسی مفصل اور جامع تاریخ ہے جس میں مستقبل کی پرچھائیاں بھی نظر آرہی ہیں، نہایت دلچسپ اور معلومات افزا ہے، اور ترجمہ بھی سلیس اور شگفتہ ہے۔

اردو ادب میں تنقید کی اہمیت ۔ از جناب قیوم صادق احمد پوری، متوسط تقطیع کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، صفحات ۲۹۲ قیمت صر پتہ مرشد آباد، ادبی مرکز، احمد پور، ضلع عثمان آباد، مہاراشٹر۔

قیوم صادق احمد پوری ایک ہونہار نوجوان ادیب ہیں، یہ مجموعہ ان کے سات ادبی و تنقیدی مضامین پر مشتمل ہے، جن میں بعض قابل توجہ بھی ہیں، لیکن ان پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ مصنف کے خیالات میں کوئی جدت و تازگی نہیں پائی جاتی جس کا انکو خود اعتراف ہے کہ اس کتاب میں ان کے غور و فکر کے نتائج کم اور دوسرے ناقدین و مبصرین کے آراء و خیالات زیادہ ہیں، اس لیے زنگارنگی پیدا ہو گئی ہے، اگر وہ ناقدین کے ناموں کی تصریح اور کتابوں کے حوالے بھی دیدیتے تو زیادہ بہتر ہوتا، ابھی ان کے خیالات میں فکر کی گہرائی اور دقت نظر کی کمی ہے، لیکن ان میں اعتدال و توازن ہے جس سے مرتب کی ادبی و تنقیدی دلچسپی اور صلاحیت کا پتہ چلتا ہے،

منحمنا ۔ از جناب عبد العزیز صاحب خالد، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت نہایت عمدہ

قیمت ؏ ۵۰ پیسے پتہ بک لینڈ ۱۲ محمد بلڈنگ، بندر روڈ، کراچی ۲

احب ایک خوش فکر اور پرگو شاعر ہیں، اس مجموعہ میں ان کی ایک طویل
نچ حصوں میں منقسم ہے، شامل ہے، ان کا انداز بیان عام شعراء سے مختلف
ہے، فکر و خیال کی جودت، الفاظ و زبان کی ندرت، تشبیہات و استعارات
ثرت کے لحاظ سے یہ مجموعہ شاعر کی قادر الکلامی کا نمونہ ہے، لیکن عام فہم
ت اور تلمیحات اتنی غریب، نامانوس اور نادر ہیں کہ خواص کے لیے بھی
ا سمجھنا مشکل ہے، خود مجموعہ کا نام ایک چیستاں ہے، لیکن انداز بیان و الہانہ
م میں جذب و کشش پیدا ہوگئی ہے،

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ،
ں گرد پوش قیمت ؏ مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

ں اردو میں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن اب اس کے اثرات عرب
ہیں، اس لیے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے چند سال پہلے اپنے مرشد
ے پوری کے ایماء سے اس موضوع پر عربی میں ایک کتاب لکھی تھی،
ہ عام کے خیال سے اس کا اردو ترجمہ بھی مزید اضافہ و ترمیم کے بعد
و کتاب کا دوسرا اڈیشن مزید اہتمام سے شائع ہوا ہے،

یسے۔ از جناب مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی، چھوٹی تقطیع، کاغذ معمولی، کتا(بت)
روپے ۲۵ پیسے۔ پتہ مکتبہ طیبہ سی ۲۸/۲۳ ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ۔

ندوی نگرامی شیخ التفسیر دار العلوم ندوہ قرآن مجید سے متعلق علوم کے ممتاز عالم
نے صبح صادق مرحوم کے قرآن نمبر کے لیے لکھا تھا، اور اب افادۂ عام کے لیے
الہ کی صورت میں شائع کیا ہے، اس میں مطالعۂ قرآن کے اہم اصول آسان زبان میں
ے مگر جامع، پرمغز اور بقول مولانا عبد الماجد دریابادی طلبۂ قرآن کے لیے ایک

"ص"

ہماری فلسفیانہ کتابیں

سیرۃ النبی، سیر الصحابہ اور تاریخ اسلام کے مقدس اور مقبول ترین سلسلوں کے علاوہ دار المصنفین کے اور بھی بہت سے سلسلے ہیں، اور ہر سلسلہ متعدد کتابوں پر مشتمل ہے، ان میں سے ایک اہم سلسلہ فلسفیانہ کتابوں کا بھی ہے، جس میں اپنے موضوع پر ہر اعتبار سے جامع اور مکمل نو کتابیں ادارہ سے شائع ہو کر ذوقی شناسان فلسفہ کے حلقہ میں مقبول ہو چکی ہیں، اُن میں سے ایک یعنی مآل و مشیت پر تو اُس کے فاضل مُصنّف کو حکومت کی ساہتیہ اکیڈمی دہلی سے پانچ ہزار کا انعام بھی ملا ہے،

برکلے اور اُس کا فلسفہ (مؤلفہ مولانا عبد الباری ندوی)

مبادیِ علمِ انسانی قیمت: ؏ ۲۵ پیسے
(" ") ے ر

مکالماتِ برکلے (مولانا عبد الماجد دریابادی)
قیمت: ے ر

فہمِ انسانی (مترجمہ مولانا عبد الباری ندوی)
قیمت: ے ر

مآل و مشیت (مصنفہ ظفر حسین خان صاحب)
(مترجم مقالہ روسو) قیمت ؏ ۵۰ ر

افکارِ عصریہ (مترجمہ نصیر احمد عثمانی علیگ)
قیمت: ص ر

طبقات الامم صاعد اندلسی:-
(مترجمہ قاضی احمد میاں جوناگڑھی) قیمت: ے ر

انقلاب الامم ڈاکٹر لیبان:-
(مترجمہ مولانا عبد السلام ندوی) قیمت: للعہ
اس کتاب کے ترجمہ کی برجستگی، خوبی، اور انشا پردازانہ طرز نگارش کی اردو کے مسلم ادیب مولانا ابوالکلام نے بڑی داد دی تھی،

حکمائے اسلام (حصہ اول)
(مصنفہ مولانا عبد السلام ندوی)
قیمت:- عللعہ ر

حکمائے اسلام (حصہ دوم) منعہ ر

مینجر دار المصنفین اعظم گڈھ